The Hindustani Academy, U. P.

Allahabad

Printed at

THE CROWN PRESS, ALLAHABAD.

دو نایاب زمانہ بیاضیں

اور ان کا انتخاب

عبدالباری، آسی

سنہ ۱۹۵۵ء

ہندستانی اکیڈیمی، یو-پی، الہ آباد

[اکتوبر سنہ ۱۹۳۷ع اور جنوری سنہ ۱۹۳۸ع کے رسالہ "هندستانی"
میں یہ مقالہ مضمون کی صورت میں شائع هو چکا ھے - اب ناظرین کے
سامنے کتابی صورت میں پیش ھے -]

قیمت ڈیڑھ روپے

مقدمہ

دو نایاب زمانہ بیاضیں اور اُن کا انتخاب*

[از مولوی عبدالباری، آسی]

آثار قدیمہ کے تحفظ پر دنیا میں ایک معقول رقم خرچ ہوتی ہے - اِس تحفظ کو صرف اینٹ پتھروں کی دیواروں، کرم خوردہ کاغذ اور کتابوں کی حفاظت، کہنا ایک صریحی غلطی ہے؛ بلکہ اِس سے ہماری قومیت، ہمارے مذہب، ہمارے تمدن، ہماری تہذیب، ہماری معاشرت، سیاست، غرض کہ ہر چیز کا راز معلوم ہو کر بدءِ خلقت سے سلسلۂ عروج و کمال کی زنجیر، اِس قدر مضبوط اور مربوط ہو جاتی ہے، کہ پھر کسی کڑی کے گم ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا - وہ امتداد ایام کے گراں سے گراں تر بوجھ سے بھی نہیں ٹوٹ سکتی - یہی نہیں بلکہ اِس کے ذریعے سے قرون ماضیہ کی زندہ اور متحرک تصویریں، ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتی ہیں، جس کے نتیجے میں موجودہ معاشرت اور تمدن کے ہر شعبے میں ترقی کی گنجائش پیدا ہو کر نئی راہیں نکلتی ہیں -

ادب و زبان کا تحفظ، شعر و نظم کی نگہداشت کو بھی سرسری نہ سمجھنا چاہیے، بلکہ شعر کو لیجیے تو وہ ایک آئینہ ہے، جس میں ہر چیز کا عکس صاف صاف نظر آتا ہے - ہر دور کے رسوم و عادات، مذہبیات، لباس، زیور، عمارت، سامان خور و نوش - آلات جنگ - بزم، رزم وغیرہ؛ غرض کہ ہر وہ چیز جس سے انسانی زندگی کا تھوڑا سا تعلق بھی ہے، وہ ہر دور کے شاعر کی شاعری میں بہ آسانی مل جاتا ہے - اور اسی کے ساتھ زبان کے تدریجی منازل اور مراحل کا بھی نقشہ دکھاتا جاتا ہے - یہی وجہ ہے کہ نقادوں نے شعر کو منتہاے علم، قرار دیتے ہوئے یہ دعویٰ قائم کیا ہے کہ شعر ہی وہ چیز ہے، جس کے اندر تمام علوم و فنون کا جوہر ہوتا ہے - اسی لیے شعر کو ہر موقع اور محل پر زور کلام کے لیے نمونہ کیا جاتا ہے - جب ایک مقرر اپنی تقریر میں معلومات عامہ کے دریا بہا دیتا ہے - فلسفے اور سائنس میں سموئی ہوئی داستانیں پیش کرتا ہے، جب ایک واعظ، علوم عقلی و نقلی، حدیث و الٰہیات، اخلاق و تصوف کے نکات سے سامعین کو محو حیرت بناتا ہے، تو وہ ہر جگہ اپنے بیان کو مستحکم بنانے اور اپنا زور کلام بڑھانے کے لیے، شعر و شاعری ہی کو اپنا ممد و معاون بناتا اور کوئی دل میں اثر کرنے والا شعر، پیش کرتا رہتا ہے - ایک بہادر، ایک شجاع، رجزخوانی کر کے اپنی اور اپنے خاندانی پیشرووں کی داستان کو اشعار کے ذریعے سے پیش کر کے حریف پر اپنی عظمت کا سکہ بٹھا دیتا ہے - ایک نقیب جوشیلے اشعار سنا کر اپنی فوج کو غنیم کی فوج کے خون کا پیاسا بنا دیتا ہے - اور اسی طرح شعر سے بہت سے وہ کام لیے جا سکتے ہیں، جو طاقت انسانی سے باہر ہیں اور شعر ہر اس جگہ مدد کرتا ہے، جہاں آدمی اپنے مایۂ بساط کو ختم کر کے عاجز آ جاتا ہے - پھر جب

یہ سب کچھ ہے، تو کیا ہمارا فرض اولین نہیں ہے کہ ہم اِس گراں بہا خزانے کے موتیوں کو ایسا محفوظ کر دیں کہ ہمیشہ کے لیے نہ [illegible] سہی، تو بھی ایک معتدبہ مدت تک کے لیے یہ چیزیں غدار زمانے کی دستِ بُرد سے محفوظ ہو جائیں -

یہ سچ ہے کہ قدردانانِ شعر اِس راز سے بےخبر نہیں رہے - اور اُنھوں نے تاریخ شعرا کو تذکرے کی صورت میں منتقل کر کے ہر دور میں اِس خدمت کو ہمدردانہ طور پر ادا کیا - اور اِس طرح نہ معلوم کتنے باکمالوں کو زندۂ جاوید بنا دیا - ہم اُن مورخین کے احسان سے فیضان حاصل کر رہے ہیں، اور کرتے چلے جائیں گے - مگر کہنا پڑتا ہے کہ باوجود اِس سعی پیہم کے بھی انسانی کاوش اور جد و جہد کبھی ناکامی اور ناتمامی کے بدنما داغ کو اپنے دامنِ عقل و فکر سے مٹانے میں کامیاب نہیں ہوئی - انسان کی ایک کاوش، دوسری کاوش کی اور اُس کی ایک کوشش، دوسری کوشش کی ہمیشہ محتاج رہی - وہ نظرِ ثانی کے غم سے کبھی بے نیاز نہیں ہوا - اور اُس کی سعیِ بلیغ میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی کمی رہ گئی -

شعرا کے جدید و قدیم تذکرے، بہت سے موجود ہیں - مگر شاید کسی تذکرہ نویس کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملا کہ یہ نقشِ آخر ہے، اور اِس کے بعد کسی رنگین [illegible] کی ضرورت اور گنجائش نہیں رہی - اب تک یہی ہوتا رہا ہے! اور شاید یہی ہوتا بھی رہے گا - [illegible] دنیا بھر کے باکمال شعرا کو کوئی جمع نہ کر سکا - کسی نے ذکر کیا تو کسی کو چھوڑ گئے، یا اُسی دور میں کسی کا اضافہ ہو گیا [illegible] صورت سے نقشِ ناتمام ناتمام ہی رہا -

اِس کے اسباب پر جب غور کیا جاتا ہے، تو [illegible] معلوم ہوتے

ھیں - مثلاً تذکرہ نویس جب تذکرہ لکھنے لگا تو اگرچہ اُس کے نزدیک بہت سے لوگوں کا فضل و کمال تو ضرور مسلم تھا، مگر جامع تذکرہ کی نظر اُن کے کمالات تک پہنچ نہ سکی - یا پھر زمانے نے اُن غریبوں کو ایسا چھپا دیا کہ کسی طرح اُن کی شہرت کا آفتاب نصف‌النہار تک پہنچ ھی نہ سکا - اِس کے علاوہ اکثر وہ ھیں کہ اُن کی شہرت ھوئی، اور اُنھیں جامع تذکرہ نے سمجھا بھی، مگر پھر بھی کسی خاص وجہ سے اُن سے اعراض و اغماض کیا گیا - جیسا کہ مولانا آزاد نے آبحیات میں مومن کو اول اول میں نظرانداز کردیا تھا - یا پھر زمانے کے ظلم و ستم کے باب میں یوں اضافہ ھوا، کہ اُن مشاھیر کا یا صرف نام معلوم ھوا یا بڑی کوشش اور جستجو کے بعد دو چار مشہور مشہور شعر دستیاب ھو سکے - اِس کے سواے اُن کی عمر کا تمام کا تمام سرمایہ ضائع ھو کر رہ گیا - اِس کی مثال میں، میں میر ضاحک کو پیش کرتا ھوں - ظاھر ھے کہ اُنھوں نے جس رنگ میں بھی کی ھو، عمر بھر شاعری کی - اور پھر جب عمر بھر شعر کہا تو کیا کچھ، اُن کے یہاں نہ ھوگا، سودا سے عمر بھر اُن کے مجادلے، مطارحے اور مشاعرے، جاری رھے - مگر آج دو ایک شعروں کے ماسوا، اُن کی کوئی یادگار باقی نہیں - آزاد نے لکھا ھے کہ سودا کے کہنے سننے سے، خود میر حسن نے اس کو ضائع کر دیا ؛ اور وہ ھمیشہ کے لیسے نایاب ھوگیا - خود میر حسن نے دو ایک شعر لکھ کر یہ کہہ دیا ھے کہ اُن کا کلام لکھنے کے قابل نہیں، مگر میں یہ کہتا ھوں کہ آج اگر کسی صورت میں بھی، کلام ضاحک ھم کو مل جائے تو وہ قابل قدر ھوگا -

اِس کے سوا بعض ایسے شعرا بھی ھیں، جن کا کلام مل تو گیا ھے ؛ مگر بہت سی وہ چیزیں جاتی رھیں، جن پر خود اپنے دور حیات میں شاعر کو ناز رھا ھے -

میں آپ کے سامنے' نواب محمد صدیق حسن خاں مرحوم کے تذکرۂ
شمع انجمن کو پیش کرنا چاہتا ہوں - جب مرحوم نے یہ تذکرہ لکھا '
تو اگرچہ اُس میں یہ التزام نہ رکھا گیا تھا ' کہ تمام تر ادیبوں اور شاعروں
کا ذکر آ جائے ؛ صرف مشہور مشہور' قدیم شعرا اور معاصرین کا ذکر مد نظر
تھا ' مگر پھر بھی جامعیت کا خیال رکھا گیا تھا - تذکرہ ' مرتب ہوگیا
تو شعرائے ڈھاکہ اور بنگالہ نے توجہ دلائی کہ اِن لوگوں کو نظر انداز کر دیا
گیا ہے- لہذا اِس کو بھی شامل تذکرہ کر دیا جائے' مگر وقت گزر چکا تھا ؛
تذکرہ مکمل ہو کر چھپ گیا تھا ' اب کسی طرح یہ موقع نہ تھا کہ اُن
لوگوں کو بھی اِس میں داخل کر دیا جائے' مگر یہ فروگزاشت بھی ایک
بڑی فروگزاشت تھی ؛ اس لیے نواب صاحب کے بڑے صاحبزادے نواب
نورالحسن خاں صاحب نے اُس کلام کو ترتیب دیا - اور ایک چھوٹا سا
تذکرہ نگارستان سخن کے نام سے جمع کر کے چھپوایا اور بطور ضمیمہ ' شمع
انجمن میں شامل کر دیا - مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ کاملین کا کلام
ضائع نہ ہونے پائے ؛ اور وہ تلاش کرنے والوں کو دستیاب ہوتا رہے - یہ
تذکرہ سنہ ۱۲۹۲ھ میں تمام ہوا - اِس کے بعد نواب علی حسن خاں
مرحوم کو تذکرہ لکھنے کا خیال پیدا ہوا - اور بہ مصداق "اگر پدر نتواند
پسر تمام کند"- انہوں نے بھی تذکرہ' موسوم بہ صبح گلشن لکھا' جس میں
چند خوشگویوں کا ذکر تو ضرور مکرر آ گیا ' باقی تمام وہ لوگ جمع کیے
گئے' جن کا نام و کلام شمع انجمن اور نگارستان سخن میں نہ آیا تھا -
یہ تذکرہ سنہ ۱۲۹۵ھ میں لکھا گیا - اِس کے بعد مولوی مظفر حسین
صبا ابن مولوی محمد یوسف علی نے اِن دونوں تذکروں میں اِس کمی کو
محسوس کیا کہ یہ تذکرے ناتمام ہیں؛ اسی لیے اُنہوں نے باقی ماندہ شعرا
کے حالات اور کلام جمع کر کے تذکرۂ روز روشن لکھا - اِسی کے متعلق وہ

اپنے تذکرے کے دیباچے میں لکھتے ہیں :

در عین تلذذ و تفرج این بساطین طیب‌الریاحین در دل نصفت منزل گزشت که تراجم و مناظم سخنوران دیگر از متقدمین و متاخرین که بمداد خامه مولفین اخبار این هر سه ناموران سواد نام و نشان شان روشن نگردیده جائے آنان خالی است - با آنکه دامان دیگر تذکرات را ازهار همیشه بهار حال و مقال شان مالے - و همچنین تذکار بعض عنادل گلشن سخن زمانهٔ حالے که استدعاے اندراج تراجم و اشعار خود در مولفے می‌خواهند ' در کتابے جداگانه به محض مناسبه نشانم - و ایجاز اذکار و اشعار بعض جلوه افروزان شمع انجمن و صبوحی کشان صبح گلشن ' و اکثرے از بزم آرایان نگارستان سخن بعبارت سلیس عاری از شائبهٔ تکلف و به بسطے کافی غیر ممل واطنابے وافی نامخل زائل گردانم - تا ارباب شوق این مقاله را تکملهٔ آن هرسه تذکره دانند - و آن موالید ثلثه را به انضمامش اربعهٔ متناسبه گردانند - هر چند احصاے همگی شعراے عالم خارج از احاطهٔ طوق بشری است ' لاکن بحکم "ما لایدرک کله لا یترک کله" فروگزاشت مقدوریکه وقوف برآن حاصل باشد الخ "-

اس عبارت سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تذکرہ بہ طریق تکملہ لکھا گیا - اور آج جو ہم دیکھتے ہیں تو شائد بہ لحاظ جامعیت اور ضخامت کے یہ اُن تینوں سے کم نہیں -

یہی حالات اور خیالات ہیں؛ جنھوں نے مجھ کو ہمیشہ اِس بات پر آمادہ رکھا کہ اُردو اور فارسی کے ایسے خوش گویوں کا سراغ لگاتا رہوں' جن کا متذکرۂ بالا اسباب میں سے کسی سبب سے کلام ضائع ہوگیا' یا قطعی طور پر کچھ کلام شائع ہی نہیں ہوا ' اور وہ بیچارے کسی طرح سے کسی اہل ذوق سے روشناس نہ ہو سکے - یا پھر اُن کا کلام دستیاب بھی ہو سکا ' تو

نہایت ہی کم مقدار میں، یا اگر کافی مقدار میں بھی ہوا، تو کوئی مایۂ ناز چیز ضرور گوشۂ گمنامی میں رہ گئی۔

اتفاقی بات تو دوسری ہے، ورنہ اِن چیزوں کا پتا لگانا اُسی وقت ممکن ہے، جب کہ دیمک خوردہ اوراق کی ورق گردانی کی جائے۔ اور مہینوں تک قدیم مخطوطات کے الٹنے کے واسطے سر انگشت کو وقف کیا جائے۔ میں نے اسی لیے نہ معلوم کتنی کتابیں فراہم کیں، اور اِس دھن میں کہ اردو کے تذکرۂ شعرا میں کم از کم ایک ہی شاعر کا اضافہ کر سکوں خدا جانے متقدمین کے اشعار کی کتنی بیاضیں دیکھ ڈالیں۔ اور اِس سے مجھے کافی کامیابی ہوئی؛ اگرچہ صرف اوقات کے لحاظ سے مجھے اِس کی معقول قیمت ادا کرنی پڑی۔ کلام جمع ہوتا رہا اور آخر وہ اِس مقدار پر پہنچ گیا کہ اُس کو اِس مضمون کی صورت میں پیش کرنے کا ارادہ کیا۔ اور بالآخر رسالۂ ہندستانی (اکتوبر سنہ ۱۹۳۷ء و جنوری سنہ ۱۹۳۸ء) میں یہ مضمون دو نایاب بیاضوں کے انتخاب کے نام سے شائع ہوا۔ اِس مضمون میں بہت سے ایسے غیر مشہور شعرا کا کلام پیش کیا گیا ہے، جن کو کوئی جانتا ہی نہیں، یا پھر ایسے کاملین کے کلام میں ایک معتدبہ اضافہ کیا ہے، جن کو زمانہ آج بھی یاد کرتا ہے اور ہمیشہ یاد کرتا رہے گا۔

یہ ایک مضمون تھا، جو دو قسطوں میں ہندستانی اکیڈیمی کے رسالہ میں شائع ہوا۔ اور میں اپنے عندیے میں اِس کو ختم بھی کرچکا تھا۔ کیونکہ جس قدر جمع کیا تھا، اُس کے واسطے بھی کافی سعی و کوشش کی گئی تھی۔ اور بلا مبالغہ کوہ کندن و کاہ برآوردن کا نمونہ پیش نظر تھا۔ مگر ذوقِ کاوش بدستور جگر خراشی کر رہا تھا۔ اور میں اِس کوشش کو پھر بھی جاری رکھے ہوئے تھا۔ اور رفتہ رفتہ یہ سرمایہ اور بھی جمع ہو

رہا تھا -

مولانا سعیدانصاری صاحب، ایڈیٹر رسالۂ ہندستانی کا ایک مکرمت نامہ موصول ہوا، اور میری توجہ کو اُدھر مبذول کیا، کہ جو مضمون بہ صورت مضمون شائع ہو چکا ہے، اُس کو ادارہ کتابی صورت میں پیش کرنا چاہتا ہے - اُن بیاضوں کے عکس تحریر کے لیے ایک ایک دو دو ورق بھیج دئے جائیں کہ عکس لے کر اور کتاب میں شامل کیا جا سکے۔ اور اِس کے ساتھ ہی اُن الفاظ قدیم کی، جو اِس مضمون کے قدیم اشعار میں مستعمل ہوئے ہیں، ایک فرہنگ بھی بنا دی جائے - میں بعض عوارض اور اپنی کم فرصتی کے سبب سے مولانا کے اِس ارشاد کی تعمیل سے عرصے تک معذور سا رہا - اور اب اس کو اچھا خاصا ڈیڑھ دو برس کا زمانہ گزر گیا - اِس کے بعد خود ادارہ کی طرف سے بھی ایک حد تک سکوت رہا، اور مجھے بھی خیال نہ رہا - مگر ۸ جنوری سنہ ۱۹۴۱ع کو مولانا نے یہ لکھ کر مجھے پھر خواب غفلت سے چونکایا -

" عرصے کے بعد آج آپ کو خط لکھ رہا ہوں - نایاب بیاضوں والا مضمون بلا مقدمے کے پڑا ہے، آپ نے نہ مقدمہ تحریر فرمایا اور نہ فرہنگ، غالباً زکام و نزلہ اِتنا لمبا نہ ہو گا - اب براہ کرم اِدھر توجہ فرمائیے اور میری درخواست پوری کردیجیے - "

میں نے تعمیل ارشاد پر آمادگی کا جواب فوراً دے دیا، مگر یہ سوچتا رہا کہ آخر اِس کا مقدمہ کیا لکھوں - اگر ادوار قدیم سے لیکر دور موجودہ تک زبان و شعر کی تدریجی ترقی اور تبدیلیوں کا ذکر کروں تو وہ خواہ کارآمد ہی کیوں نہ ہو، مگر ہے بڑی پرانی اور فرسودہ چیز، نہ معلوم کتنی مرتبہ کن کن محققوں کی، اِس مسئلے پر نگاہیں پڑی ہیں اور کَے سو مرتبہ یہ کہانی دہرائی جاچکی ہے - اور کتنی

مرتبہ لوگ اِس افسانۂ کہن میں نمک مرچ لگا کر پھر بیان کریں گے - اِسی لیے اِس کو بالکل فضول سمجھ کر چھوڑ دیا ' مگر پھر کیا کیا جائے - ضروری اور پتے کی باتیں مضمون کے اول میں لکھی جاچکی ہیں - اِس لیے میں یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ اِس مضمون کے لکھنے کے بعد ' جن جن شعرا کا حال اور کلام جمع کر سکا ہوں ' پیش کر دوں اور یہ مضمون مکمل سے مکمل تر ہو جائے -

چونکہ ادوار کے طور پر ترتیب میں زیادہ دقت اور طوالت ہو گی اِس واسطے ترتیب حروف تہجی کے لحاظ سے زیادہ موزوں اور مناسب سمجھی گئی -

---

امان

اصل نام ' مولوی امان علی تھا - اور غالباً لکھنئو کے رہنے والے تھے - اگرچہ اِن کی غزلیں یا اور اصناف کلام مجھ کو دستیاب نہیں ہو سکیں ' مگر ایک کتاب ' اختصارالقواعد جو صرف و نحو کے قواعد میں نظم میں لکھی ہے ' مل سکی ؛ کتاب کے دیکھنے سے مصنف کے باکمال ہونے کا پتہ چلتا ہے - زبان نہائت آسان اور سلیس ہے - یہ کتاب اُنہوں نے اپنے لڑکے واجد حسین کے لیے لکھی تھی ' میرے کتب خانے میں اِس کا ایک نسخہ ہے ؛ یہ آتش وغیرہ کے دور کے شاعر معلوم ہوتے ہیں - مگر کسی تذکرے میں اِن کا ذکر نہیں مل سکا - نمونے کے لیے حمد کے چند شعر نقل کیے جاتے ہیں :—

حمد ہے پہلے ہمکو اُس کی ضرور — جس نے کُن سے کیا ہے سب کا ظہور
کر دئے خلق ہیجدہ عالم — دین و دنیا کو کر دیا قائم
بے ستوں آسماں بلند کیا — عقل کو دنگ کر دیا اِس جا

آب پر خاک کو جمایا ہے — طرفہ نقشہ یہ کر دکھایا ہے
چاند، سورج، ستارے، جتنے ہیں — سب اُسی نور کے یہ جلوے ہیں
جن و انسان و دیو و حور و پری — دیکھو سب میں ہے طرفہ جلوہ گری
امرِ معروف نہی اور منکر — کیا تعلیم سب کو سر تا سر
ہے گا کل فعلوں کا وہی فاعل — گر نہ سمجھے کوئی تو ہے جاہل
لیک ہے شرط امر لاوے بجا — تا بروز قیام پائیے جزا
چاہئے اُس کے حکم سے اے دل، — ایک لحظہ رہے نہ تو غافل
یاد اُس کی نہ ہووے تجھ سے دور — اُس کی طاعت میں ہو نہ ذرہ قصور

بسمل فیض آبادی

نام محمد جواد، عرف مرزا لالن، تخلص بسمل، مذہب شیعی، فن طب کے ماہر، حکیم علی حسین خان کے صاحب زادے، فیض آباد کے رہنے والے، میر کے معاصر اور دوست تھے - سنہ ۱۲۱۹ھ تک زندہ تھے - ہر صنف سخن میں اِن کا کلام موجود ہے - خصوصیت سے دو مثنویاں جو ہمارے نزدیک اودھ کی سب سے پہلی مثنویاں ہیں، اُن میں سے ایک کا نام حسن و عشق ہے ؛ اور دوسری کا پارسا نامہ، اِن سے یادگار ہیں - اور اُن میں سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مثنوی پارسا نامہ میرتقی میر کے ساتھ شریک ہو کر لکھی ہے - اور معلوم ہوتا ہے کہ میر صاحب نے بھی اِن کی پوری مدد کی ہے - چنانچہ بسمل نے ایک جگہ اعتراف کیا ہے، اور کہا ہے :—

یہ بسمل جو ہے شمع محفل فروز — لکھی کتنی بیتیں ہیں یہ سینہ سوز
سو دس پانچ ہیں میر کی دوستاں — نہاں نہیں کیا، کر دیا وہ عیاں

اِن شعروں سے دو نتیجے نکلتے ہیں، کہ میر صاحب کی امداد یا

تو یوں ہوئی کہ انہوں نے اِن کی مثنویوں کے لیے شعر کہے یا پھر میر صاحب کی کسی مثنوی سے اِنہوں نے یہ شعر انتخاب کر لیے - بہر حال یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ اِن کے میر صاحب سے تعلقات تھے - یا یہ میر صاحب کے زبردست عقیدت مندوں میں تھے -

اِس سے بھی زیادہ تعجب خیز امر یہ ہے کہ بسمل کی مثنوی پارسا نامہ میں کئی غزلیں ایسی ہیں' جو یہاں بسمل کے تخلص سے لکھی گئی ہیں ' اور میر صاحب کے کلیات میں بہ ادنی تغیر ' میر صاحب کی معلوم ہوتی ہیں - اِس کے متعلق ہم رسالۂ اُردو' جنوری سنہ ۱۹۳۹ع میں کافی بحث کر چکے ہیں - یہاں بسمل کی دونوں مثنویوں کے کچھ نمونے درج کیے جاتے ہیں - اور بعد کو کچھ غزلیں لکھی جائیں گی -

یہ دونوں مثنویاں' مصنف کے قلم کی لکھی ہوئی' میرے کتب خانے میں موجود ہیں - اِن میں سے مثنوی پارسا نامہ ۱۲۱۳ھ میں تمام ہوئی اور مثنوی حسن و عشق ۱۲۰۳ھ میں -

نمونہ از مثنوی حسن و عشق

خدا سے طلب و عشق

دعا کرتا تھا نت حق سے وہ شیدا — کہ عشق و حسن ہوگا تجھ سے پیدا
تو ہے سر چشمۂ فیض و فتوت — تو ہے کان سخا بحر مُروت
مجھے کر عشق کی مے سے تو مخمور — ولے وہ عشق صادق ہوگا منظور
امڈ آیا ہے ابر از غرب تا شرق — مجھے بھی بحر مے میں کردے آ غرق
پھر حضرت[1] عشق کی جانب کیا رو — قسم پر سو قسم دینے لگا وو
سیہ مستی گھٹا کی تو نظر کر — یہ آتی ہے چلی دوش ہوا پر

---

۱ — حضرت کی ح تقطیع سے گرتی ہے -

تو آ جلدی کہ اب مجھ میں نہیں تاب　　قدح کر دے لبالب، لا مئے ناب
تجھے مہر درخشاں کی قسم ہے　　تجھے اِس ماہ تاباں کی قسم ہے
روا مت رکھ تو میری تشنہ کامی　　قسم تجھ کو بہ مولانائے جامی

عبرت

الا اے ساقی میخانۂ ناز　　نہ رکھ مے کو لب ساغر سے تو باز
غنیمت ہے ارے ظالم کوئی دم　　ہے عرصہ زندگانی کا بہت کم
کہ شمع بزم ہستی آہ فریاد　　سدا رہتی ہے زیر دامن باد
ذرا اُٹھ اور سرِ انجامِ سفر کر　　صبوحی سے لب ساغر کو تر کر
مجھے کر اک دو پیمانے میں تو لال　　کہ لکھنا ہے مجھے مخمور کا حال
اری اے گردش افلاک بے مہر　　ملائے خاک میں کیا کیا نہ تو چہر
وہ کس سبزے نے ایسا سر اٹھایا　　نہ جس کو خاک میں تو نے ملایا
کوئی پاکیزہ گوہر یہاں نہ چھوڑا　　جسے سنگ جفا سے تو نہ توڑا
ترے ہاتھوں سے بلبل نالہ کش ہے　　تجھی سے آج گل آشفتہ وش ہے
دی تو نے جان شیریں آہ برباد　　ترے سر پر ہے ثابت خون فرہاد
یہ جتنا تختۂ روئے زمیں ہے　　ہر اِک جا پر یہاں اک نازنیں ہے
جو آیا اِس گزرگہ میں، سو گزرا　　نہ وامق ہی رہا آخر، نہ عذرا
نہ جان، اشکال عالم دیر پا ہیں　　یہ سب سیلی خور دست قضا ہیں
نہ سودا ہی رہا ہے اب نہ یہاں درد　　ملے جا کیسے کیسے خاک میں مرد
یہ کل ہونا ہے اے فرصت سے غافل　　کہ ہم مطلق معطل ہوں تہِ گل
یہی خورشید ہووے اور یہی ماہ　　یہی وضع زمانہ اور یہی راہ
کچھ اشیا سے یہاں کی، کم نہ ہوویں　　یہ سب کچھ یوں ہی ہو اور ہم نہ ہوویں

نمونہ از پارسا نامہ

سراپا

سراپا کا سن ساقی مجھسے بیاں　　کہاں ہم، کہاں تو، کہاں یہ سماں

عجب وضع کا قد و بالا ہے وہ　　خوشی کے جو قالب میں ڈھالا ہے وہ

زلف

موئے سر ہیں ایسے کہ جی ہے نیاز　　ہے بل کھاتی جس پر یہ عمر دراز

کروں اسکی کاکل کی کیا گفتگو　　نظر کاکل صبح پر کیونکہ ہو

وہ کاکل ہے اس کی تو کام بلا　　ہر ایک حلقہ ہے اُس کا دام بلا

کرے کالے کوسوں کی کوئی بات کیا　　ہے کچھ ہم کو نسبت جو سودا ہوا

اُلجھتے ہیں جب اسکے شانونمیں بال　　تو تیوری چڑھا کر وہ لے ہے نکال

کُئی اسکی زلفوں میں دِل دے پڑی　　رہی ساری سنبل کی شیخی دھری

خجل بالوں کی بو سے مشک و عبیر　　سیاہی میں ظلمات کی سی نظیر

جبین

جبیں اُسکی یوں دل کی جاذب ہوئی　　وہاں صبح صادق بھی کاذب ہوئی

وہ ٹیکا چمکتا ہے جو بر جبیں　　چمک ایسی مہتاب میں بھی نہیں

ابرو

نہیں ویسی ابرو کشیدہ کہیں　　کمانیں کسو سے یہ کھنچتی نہیں

بھوونکی کمانوں سے لگ زلف یار　　اُلٹتی ہیں اُڑ اُڑ کے جوں تیر مار

جدھر اُسکی ابرو جھمک جاتی ہے　　مہ نو کی گردن ڈھلک جاتی ہے

کماں اسکی ابرو کی عاشق کمیں　　خدنگ اُسکی مژگاں کے سب دلنشیں

چشم

وہ چشم اُسکی نرگس ہو جس سے خجل　　غزال حرم دیکھ ہو پا بہ گل

نہ آنکھوں کی مستی کی اسکو خبر　　خرابی ہے عاشق کی مد نظر

پھرے پلکوں نے اور سب نے نذہ | سبھی چشم بر اس کی چشم سیاہ
شہید اُسکی چشمک کے دل خستگاں | ہدف میں نگاہوں کے دل بستگاں

چتون

کہوں اسکی چتون کا کیا تم سے طور | کہ ہے وہ قیامت ' قیامت پہ اور

بینی وغیرہ

ہے اُس لطف بینی کا دشوار ' فہم | ہے باریک بینی پہ درکار فہم
جھمکتا تھا کیا ہائے رنگ قبول | وہ مکھڑا ہے جیسے کہ لالے کا پھول
ہے نتھ اُس کی جوں ہالۂ گرد ماہ | ہے چاہ زنخداں کی اس کو بھی چاہ
لٹکتے ہیں اُس میں جو دُر خوشاب | چمک دیکھ زہرا ہے در پیچ و تاب
وہ مُردوں کو زندا دوبارا کرے | مسیحا جہاں سے کنارا کرے
پری' منفعل رنگ رخسار سے | خجل کبک' انداز رفتار سے
خضر تشنہ' اُس کے ہی دیدار کا | مسیحا مرید اُس کے بیمار کا

گوش

دم شوخی گوش اِشارائے صبح | ہیں گوشوں کے گوہر ستارائے صبح
بُنا گوش جب اُن نے دکھلا دیا | نظر ' صبح کا سا سماں آ گیا

دہن

دہن تنگی سے بات کوتاہ ہے | نکلتی نہیں رات کی راہ ہے
ہے نشگفتۂ غنچہ سے بھی وہ کم | جو ہمدم ہو کوئی گل' ہے اس پر ستم

زبان

ہے وہ برگ گل سے بھی ہلکی زباں | ہیں گل بوتے ہر بات کے درمیاں
کہوں کیا کہ ایسی ہے کم شیریں گو | زباں کاش وہ میرے ہی منہ میں ہو

لب

وہ لب ہیں کہ گلبرگ یا لعل ناب | کہوں اُن کی توصیف' کیا ہے گی تاب

لب سرخ اُس کے وہ گلبرگ تر چھپیں جس میں دنداں کی ساکھ مُہر
کہ جب کھاوے وہ بیڑۂ پان کو نہیں رو ہے تب لعل و مرجان کو
نہیں دیکھی ہے ایسی رنگیں لبی ٹپک پڑتا ہے رنگ گویا ابھی
رکھے جو کوئی اُن لبوں ہی سے کام نہ لیوے وہ قند اور مصری کا نام
حلاوت اُنھوں کی، جو کچھ کہئے اب نہ ہووے جدا ہمدگر لب سے لب
تبسم سے ہو لعل کے دل کا خوں جو کوئی ہنستے دیکھے، ہو اُس کو جنوں

دندان

ملے جب کہ دنداں سے مسی وہ ماہ ہو خنداں جوں برق ابر سیاہ
اگر کیجیے بو، اس زنخ کا وہ سیب تو آسیب بھاگے، جنوں جھانکے جیب
ہے پرکار خوش ایسی کب کوئی پری مجال ہے کی کیا کوئی کرے ہمسری

گردن

ہے گردن میں اس کی نیا اک فسوں کہ گردن کش آگے ہیں اُس کے نگوں

سینہ

بلندی پہ ایسا ہے سینہ نمود اُتھے طور سینا کے سینے سے دود
کنول ہینگے اور یا وہ ہینگے حباب و یا دو ہیں وہ پارۂ ماہتاب
یہ خوبی میں ہے وہ نظر گاہ خوب کہ یوسف سا محبوب وہاں جائے ڈوب

شانہ، دست، ساعد

وہ شانے وہ بازو وہ ساعد وہ دست جہاں دست بستہ ہو ہر ایک مست
کف دست پر حسن دریا کا جوش رکھے جس کے سینے پہ اُڑ جائے ہوش

شکم

شکم کی کوئی خوبی اب کیا کرے صفائی پہ آئینہ اُس کی، مرے

کمر

کمر اُس کی جو مو سے باریک تھی وہ باریک بینوں سے باریک تھی

نہیں ہے یہ ممکن نہ وہ پائے جائے — مگر علم غیب ہو کسو کو تو پائے
اگر لچکے وہ تو قیامت پڑے — قیامت تلک پھر ندامت پڑے
پائے

پڑی گفتگو پائے جاناں سے اب — یہ تو خاک میں ملنے کا ہے گا تعب
جو پنڈلی ہے نازک سو ہے شاخ گل — بھرے رنگ سے پشت پا اُس کی گُل

مثنوی کے بعد، ہم بسمل کی غزلوں میں سے صرف ایک غزل بطور نمونہ پیش کرتے ہیں:—

غنیمت جانو جو دم ہیں میاں، ہم — کوئی دم کو کہاں پھر تم، کہاں ہم
تمہارے ڈر سے گونگے ہو رہے ہیں — نہیں تو، منہ میں رکھتے ہیں زباں ہم
نہ گل ہم کو دیا، نے کچھ ثمر بھی — کسی لائق نہ تھے اے باغباں، ہم
نگہ کرنا نظر آوے پہاڑ اب — یہاں تک ہوگئے ہیں ناتواں ہم
بغیر از گریہ جو آتا ہے گھے — نہیں رکھتے ہیں کوئی مہرباں ہم
نہ وعدۂ وصل کا نے قتل کا قول — سو کس اُمید پر ہوں شادماں ہم
عجب ہی شغل میں کٹتی ہیں راتیں — کریں کیا تجھ سے اے بسمل، بیاں ہم

بسمل نے اور اصناف سخن میں بھی طبع آزمائی کی ہے، مگر یہاں نمونۂ کلام کے لیے شائد اِس قدر بہت کافی ہے -

---

جری

مرزا سرفراز علی نام، مرزا نوازش علی ابن مرزا غضنفر بیگ زمیندار محمودنگر، لکھنئو کے صاحبزادے تھے - اور برق لکھنوی، تلمیذ ناسخ مرحوم سے مشورۂ سخن کرتے تھے - تذکرۂ سخن شعرا میں اِن کا ایک شعر درج ہے -

گا۔ہی سے اسکے ھٹتی نہیں ایک دم کبھی — مثل جری ہے عاشق روے نگار، زلف

اِس ایک شعر کے ماسوا، کسی تذکرے میں نہ اِن کا ذکر ہے اور نہ کلام، مگر میرے کتب‌خانے میں ایک بیاض ہے، جو سنہ ۱۲۳۹ھ سے پہلے کی ترتیب دی ہوئی ہے- اور اب بیحد شکستہ ہوگئی ہے؛ اُس میں اِن کا کلام موجود ہے، جو نقل کیا جاتا ہے -

دروازے میں وہ رکھ کے قدم گھر پلٹ گیا   لو، پھر گئے نصیب مقدر اُلٹ گیا
باتوں سے آپ کی دل وارفتہ پھٹ گیا   تیغ زباں سے رشتہ محبت کا کٹ گیا
اے ترک معرکے میں قدم تو نہ ہٹ گیا   پاپوش سے، اگر سر شوریدہ کٹ گیا
آئے ہو جانکنی میں عیادت کے واسطے   سیدھے ہوئے ہو جبکہ مرا دم اُلٹ گیا
گیسو کا ہلنا زہر مرے حق میں ہوگیا   مار سیاہ کاٹ کے گویا پلٹ گیا
محمل‌نشیں کو دل کی تڑپ نے دکھا دیا   جھونکے سے میری آہ کے پردا اُلٹ گیا
پتھر سے بھی زیادہ ہے دل اس صنم کا سخت   جو تیر آہ میں نے لگایا اُچٹ گیا
سہہ سہہ کے سختیوں کو میں فولاد ہوگیا   جیسے لگایا نیمچہ اُس نے، اُچٹ گیا
اے ترک راستے در دولت کے بند ہیں   ہر ایک کوچہ گنج شہیداں سے پٹ گیا
ایسے ہوائے دختر رز نے اُڑائے ہوش   پیر مغاں سے بے ادبانہ لپٹ گیا
خواہش کمال وصل عروس اجل کی ہے   دل زندگی سے فرقت جاناں میں ہٹ گیا
بوسے کے مانگنے سے کہے ہے وہ بحر حسن   پھیلا جو ہاتھ، دامن دریا سمٹ گیا
دست جنوں ازل سے ہے چالاک واعظا   مدت ہوئی کہ نامۂ اعمال پھٹ گیا
اب کوہ غم اُٹھائے نہیں جاتے اے پری   جب سے بڑھا ہے ضعف مرا زور گھٹ گیا

سودائے زلف میں جو تڑپنے لگا جری
داماں دشت، جیب کے مانند پھٹ گیا

میر حسن

میر حسن کے سوانح اور حالات لکھنا، اِس لیے بیکار ہیں کہ وہ قریب

قریب تمام تذکروں میں پائے جاتے ہیں مگر ان کا مکمل کلام نہ شائع ہوا اور نہ سوائے دو تین مجموعوں کے مل سکا؛ اس لیے بہتر ہوگا کہ اُن کا جس قدر کلام، مطبوعہ کے علاوہ ملے، اس کو پیش کیا جائے - چنانچہ ہم ایک مثنوی خوان نعمت پیش کرتے ہیں - جو اب تک کہیں طبع نہیں ہوئی - اور جس میں مصنف نے وہ کمال دکھایا ہے جو مثنوی کے لکھنے میں اُن کو حاصل تھا - یہ مثنوی غالباً ایک خط کی حیثیت رکھتی ہے - اور اس میں اُن کھانوں کے اوصاف بہ تفصیل پیش کیے ہیں، جو شاہی دسترخوان پر موجود ہوتے تھے - حسن بیان کا یہ عالم ہے کہ اب تک نام سننے والوں کے منھ میں پانی بھر آنا کوئی بڑی بات نہیں ہے -

(خوان نعمت)

کہوں کیا میں ثنا و حمد رزاق
کہ گویائی کی طاقت ہے یہاں طاق

لگا غفلت سے تا ایام پیری
ہماری ہر طرح، کی دستگیری

کیا جس دن سے اُسنے ہمکو پیدا
پدر مادر کو رکھا ہم پہ شیدا

انھوں نے رات دن غم آپ کھائے
نوالے ہم کو سونے کے کھلائے

سنبھالا ہوش جب ہمئے جہاں میں
ہوئی کچھ عقل کی پونجی دکاں میں

کیا پھر ایسے آقا کے حوالے
کھلائے جس نے نعمت کے نوالے

سو وہ کون، آصف الدولہ بہادر
کہ بحر بخشش اس کا دے بہا دُر

کہ اُس کے مطبخ عالی میں کوئی
کرے اک روز جا گر دیگ شوئی

زمانہ ہو اگر کیسا ہی سوکھا
و لیکن وہ کبھی ہووے نہ بھوکا

رکھے آباد حق اُس کو کرم سے
کہ اتنی خوبیاں ہیں اُس کے دم سے

کرے کس واسطے کفران نعمت
سدا آئے ہے اپنے خوان نعمت

زباں رہتی ہے خوش نعمت سے اپنی
گزرتی ہے سدا لذت سے اپنی

ہماری نعمتوں کی کون دے داد
بہت آتے ہو مشفق ہم کو تم یاد

خصوصاً جب چُنا جاتا ہے کھانا — اسے سچ جانیو تم خود ہو دانا
پھر اک دن تو نہایت یاد آئے — نہ کھانے پر تمہارے حیف کھائے
جو تم ہوتے تو غش کھا کھا کے گرتے — مگس کی طرح ہر کھانے پہ پھرتے
بچھا جس وقت دسترخوان آ کر — قرینے سے رکھے کھانے لگا کر
نہ تھا گوشہ کوئی لذت سے خالی — برنگ نثر نعمت خان عالی
پلاؤ زیر بریانی و قور داغ — ہر اک عالم میں اپنی قطع کا باغ
وہ بشقابیں بھری بریانیوں کی — ملبّب قفلیاں بورانیوں کی
پلاؤ میں رکھا زردا جو اکبار — ہوا اک تختۂ چیں زعفراں زار
چُنے دوپیازے اور قلیے تمامی — اُتاریں ہاتھ جن اوپر سلامی
کباب اقسام کے رکھے وہ ہر سو — بھریں دم فاختہ جن کا کہ کُو کُو
سَلونی اور تلی مچھلی مزیدار — کہ دریائی کباب اُن کے نمک خوار
حسینی وہ کباب اعلیٰ و نامی — ہوئے مردود جن کے آگے شامی
پلیوں کی ہر اک سو نیم چینی — ہر اک کتلے میں سو باریک بینی
قبولی تھی عجب اسلام خانی — کہ تھی وہ تم سے مومن کو کھلانی
حلیموں کے طبق جلتے ہوئے گرم — جسے خورشید نہاوے دیکھ کر شرم
وہ تُنکی اورندھی براق جوں برف — نہ پاوے جس کی لذت در تنک ظرف
دہی وہ صاف اور تنہی وہ کوری — شفق میں جیسے سورج کی کٹوری
جس اُن کی دہی کا ہو نہ ثانی — بجا ہے فخر کرے وہ لن ترانی
وہ شہ کاسے بھرے آشوں سے لبریز — جہاں ہو تیس رغبت کو مہمیز
دھرے وہ قورمے اُن پر سراسر — کہ جن سے بہ چلے گھی تر ترا کر
نمودِ آش زیر قورمہ یوں — تلے کہسار کے ہو چاندنی جوں
عجب تھا اُس میں بورانی کا عالم — کہ جیسے ماہ نورانی کا عالم
دھرے پکوان ہر سو اور تلادے — تلادے گوشت کے بھی اور سادے

وہ بُھرتے اور ترکاری کے دُلمیں — کہ جب کھولو تو بو باس اُن کی گُل میں
جو شُربے تھے سو اپنے شور میں تھے — جو قلیے تھے سو اپنی قور میں تھے
عجائب زیر بریاں نور محلی — محل لُطف سے مشہور محلی
مصالح دار وہ تحفہ بڑے تھے — کہ حیراں اُسپہ سب چھوٹے بڑے تھے
وہ بھونی کچھریاں اور چٹنیاں وہ — دہی چورنگ کے جلوہ کناں وہ
جب اُس کا وصف لکھنے کو کرے ہے — قلم کی جیب چٹخارے بھرے ہے
وہ سوندھے کُرکُرے ساتھ ان کے پاپڑ — کھسے دل ہاتھ کو جن پر کہ جا پڑ
وہ شلغم جس کے کتلے ماہ پارے — اور اُس میں رائی کے چھتکے ستارے
عرق نعناع تھا اور تحفہ وہ سرکا — زباں ہی بھید جانے جس کے سِر کا
مثل کہتے ہیں وہ جو کھٹے والے — سو تھے وہ سونے روپے کے نوالے
مُہوّس جو کہ اِن چیزوں کا ہووے — وہ اپنے منہ سے یہ جوڑا نہ کھووے
وہ لاکھی چار پیالے کے نمکداں — نمک خوروں میں جس کے لاکھ انساں
پلیر و ادرک و پیاز و پودینہ — لگا مولی سے ہر اک با قرینہ
مربّا اور اچار اور لیموے تر — چُنا صنعت سے اور کترا سراسر
خمیری روغنی اور شیرمــــالی — اگر چیرو تو جوں ریشم کی جالی
چپاتی گرم اور ستھرے وہ پھلکے — روئی کے جیسے گالے ہلکے پھلکے
وہ باقرخانیاں جن کا بڑا پھن — سو آئے تھے وہ بادامی قبا پہن
پلیری سے لگا تا نان ســنگی — سمیت از نان نعمت ہفت رنگی
وہ پھیلے خوانچے فرنی کے جوں چاند — کہ جلکی ہو چمک سے چاند بھی ماند
سموسے اور نچــلاوے مٹھائی — کہوں کس کس کا عالم تم سے بھائی
پیالے کھیر کے جوں ماہ تاباں — کِھلے یا جیسے نسرین گلستاں
وہ تحفہ خوانچے ماقوتیوں کے — کہ جیسے زرد گل داؤدیوں کے
دھرے خوشبو مزعفر کے پیالے — کہ زردی پر ہنسے جن کی نوالے

وہ ماقوتی وہ فرنی مل کے باہم　　دکھاتی تھی گل نرگس کا عالم

وہ حلوے رشک یاقوتی و معجوں　　دوانا جن کا بقراط و فلاطوں

جدا اک طرف انڈوں کا رسالا　　لئے اپنے رسالے کا رسالا

خطائی اور کماچ اور گاو دیدے　　روے کے خشخشی ستھرے ملیدے

وہ ٹکڑے دودھ کے پکے ہوے سرد　　گدا لذت پہ جن کی ہر زن و مرد

ملائی کے پیالے اور مسکے　　زبانونمیں ہیں اب تک جن کے چسکے

وہ شربت اور پن بھتے وہ خوشبو　　کہ تم سے شخص پیویں جسکو دھودھو

دھرے میوے تھے ایسے خشک اور تر　　نظر کو جن سے لذت ہو سراسر

مٹھائی روشن الدولہ کے یہاں کی　　جھروکونسے جسے مصری بھی جھانکی

اگر سحبان بھی اُس وقت ہوتا　　تو دیوان اپنا شربت میں بھگوتا

اگر اُس وقت نعمت خاں بھی آتے　　تو اک استت نیا کھانے کا گاتے

یقیں ہی جانیو' اے میرے غمخوار　　تمہارے بن جو دیکھے ہیں یہ گلزار

تمہارا ہی تصور مجھ کو آیا　　تمہاری یاد میں سب کچھ بھلایا

جو تم ہوتے تو کیا کیا لطف پاتے　　نوالے کیسے کیسے تم اُٹھاتے

عبث تم کیوں گئے یہ چھوڑ کرساتھ　　جو یہاں ہوتے تو پھیلاتے نہ تم ہاتھ

کہا تم نے جو یاراں کا نہ مانا　　یہاں یہ سن کے اب افسوس کھانا

کہا مانو وہاں خفت نہ کھاؤ　　یہاں یہ نعمتیں ہیں' جلد آؤ

خفا مت ہوجیو اس مدعا سے　　ہے تمنّا مجھ میں اور تم میں سدا سے

حسن کے جو سخن سے حظ اُٹھاوے

خدا روز اُس کو یہ نعمت کھلاوے

تمام شد

مثنوی منقولہ کی رفعت و بلندی اِسی بات پر منحصر ہے کہ اُنھوں نے کھانوں کی ایسی تفصیل پیش کردی ہے کہ شائد وہ اُن شاعروں کے قلم اور دل و دماغ سے ممکن نہیں ؛ جن کو اس قسم کے سفرۂ عام اور خوانِ نعمت پر زانو بچھا کر بیٹھنے کا اتفاق نہیں ہوا - میرحسن کی دو تین مثنویاں اور بھی ہیں، جو غیر مطبوعہ ہیں؛ اور وہ میرے کتبخانے میں موجود ہیں - مگر اُن میں فحش الفاظ سے اجتناب نہیں کیا گیا اور اسی وجہ سے اِس مجموعے میں شامل ہونے کے قابل بھی نہیں ہیں -

---

خورشید

خوش وقت علی‌خاں نام، داؤد علی کے بیٹے تھے، تھانے‌داری کے عہدے پر ممتاز تھے - اصل میں اکبرآباد کے رہنے والے تھے، مگر جب کانپور آئے تو رشک، شاگرد ناسخ سے تلمذ اختیار کیا - پھر لکھنؤ پہنچے تو برق کے شاگرد ہوئے - تذکرۂ سخن شعرا میں ان کے تین شعر، اور نو شعر ، تذکرۂ خمخانۂ جاوید میں درج ہیں - خمخانہ میں لکھا ہے، کہ آٹھ نو شعر سے زیادہ کی غزل نہ کہتے تھے، مگر ہماری بیاض میں ایک غزل ۱۸ شعر کی درج ہے - یہ سنہ ۱۸۴۰ء تک زندہ اور نواب فرخ‌آباد کے یہاں ملازم تھے - اِس غزل کا کوئی شعر کسی تذکرے میں نہیں ہے - غزل کے ایک شعر میں، برق و ناسخ کے اتباع کا بھی ذکر ہے اور میر کو بھی لپیٹ لیا ہے -

ہو تصور ابروئے بے پیر کا	آنکھ میں ڈورا رہے شمشیر کا
سب بجا لاؤں تری فرمائشیں	عطر کھچواؤں دل تصویر کا
کہتے ہیں شکر لب و دنداں نہیں	شہد کی موجیں ہیں، دریا شیر کا
پیچ بالوں کے نکالے وصل میں	رات بھر گچھا کھلا تصویر کا
تم نے سہلے کو نشانہ کر دیا	تک گیا چپکن پہ دستہ تیر کا

عشق مژگاں میں جو ہوگی سرکشی　　بھیج دوگے مجھ پہ دستہ تیر کا

تم دریچے میں جو بیٹھے ہو خموش　　جانتا ہوں چوکھٹا تصویر کا

جان کی بازی لگا دی، او صنم،　　گنجفہ کھیلا، تری تصویر کا

پھوٹ نکلا بید مجنوں کا درخت　　بو دیا دانہ مری زنجیر کا

اپنی حیرت پر اگر روتا ہوں میں　　کھنچے ہیں وہ ابر ہے تصویر کا

او یم خوبی، تر خط بہار　　دام ہے ماہی کاغذ گیر کا

کھل گیا مجھ پر شکست رنگ سے　　چہچہا تھا بلبل تصویر کا

ہوگیا ہے جان جاں، کشتوں کا ڈھیر　　پل بندھا آب دم شمشیر کا

رخت عریانی پہ ٹانکوں اے جنوں　　بیل سمجھوں، سلسلہ زنجیر کا

برق کا مضموں ہے، ناسخ کا ثبوت　　بیت ابرو میں، مزا ہے میر کا

خاک بلبل آب گُل پیدا کروں　　اِس چمن میں قصد ہے تعمیر کا

چاندنی میں آپ کھنچوائیں شبیہ　　ماہ بھی، آئینہ ہو تصویر کا

لکھ گیا خورشید خط بندگی

میں ہوا قائل تری تسخیر کا

سپہر

میر محمدی نام، میر مہدی عرف، شاہ علی کے بیٹے، محسن مولف تذکرۂ سراپا سخن کے بھانجے اور خواجہ وزیر کے شاگرد تھے - مولف تذکرۂ شعرا کا بیان ہے کہ صاحب دیوان گزرے ہیں - ممکن ہے کہ کسی وقت دیوان جمع کیا ہو، مگر غالباً چھپا نہیں اور کلام ضائع ہوگیا - ۱۲ شعر مولف سخن شعرا نے اور ۱۳ مولف خمخانۂ جاوید نے نقل کئے ہیں؛ مگر یہ غزل جو ہم بیاض سے نقل کرتے ہیں، کسی میں نہیں ہے- وہی قدیمی رنگ جو ناسخ کا اختراع کیا ہوا ہے، اُن کے یہاں بھی موجود ہے -

عزیزو عشق ہے اس لالہ رو کے خال شبگوں کا
تعجب کیا جو مجھکو ذوق ہے اِس درجہ افیوں کا

نہیں مجھ کو تعشق خط و چشم و خال شبگوں کا
نہ شوق بنگ ہے، نے عشق ہے، نے ذوق افیوں کا

دم فکر سخن جو ہے تصور زلف شبگوں کا
یہی ہے جال اے صیاد: گویا مرغ مضموں کا

کریں بالکل تصرف اُس کو اے سیمیں تنوں، تم پر
ہمارے ہاتھ آ جائے اگر سب مال قاروں کا

چلے تم دو قدم کیا، حشر گویا ہوگیا برپا
اُٹھے قبروں سے مردے، صور اسرافیل نے پھونکا

ہمیں اے شعلہ رو، بے وجہ تو ہر دم جلاتا ہے
ہے شائد کان میں تیرے کسی نے کچھ نہ کچھ پھونکا

جہاں دیکھو وہاں میرا تمہارا ذکر ہوتا ہے،
کوئی اب نام بھی لیتا نہیں، فرہاد و مجنوں کا

جو مے پیتا عوض اُس کے تو کیفیت اٹھاتا کچھ
جو خالی خُم میں بیٹھا، کام کیا نکلا فلاطوں کا

شفق بن کر عیاں ہوتا ہے دونوں وقت گردوں پر
فلک شاہد ہے او قاتل، سپہر خستہ کے خوں کا

شور

مرزا آغا حسن ولد آغا محمد فیض آبادی مقیم لکھنئو، آتش کے شاگرد تھے اور بقول سخن شعرا صاحب دیوان گزرے ہیں، مگر نہ کہیں دیوان کا پتہ ہے، نہ کلام کا؛ چار شعر تذکرۂ خمخانہ میں اور دو شعر

سخن شعرا میں ہیں اور بس' مگر جو غزل بیاض سے ہم نقل کر رہے ہیں اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑے کہنہ مشق اور زبان و روزمرہ کے ماہرین میں تھے - یہ غزل دونوں تذکروں میں نہیں ہے -

زمانے کی ایذائیں جھیلے ہوئے ہیں
یہ پاپڑ بہت اپنے بیلے ہوئے ہیں

تجھے جب سے نظروں میں تولا ہے' میں نے
پہاڑ اپنی نظروں میں ڈھیلے ہوئے ہیں

غـــم ہجـــر ہمدرد اپنـــا ہوا ہے
اکیلے تھے اب ہم دوکیلے ہوئے ہیں

عذاب لحد سے اُنہیں خوف کیا ہے
جو کڑیاں شب غم کی' جھیلے ہوئے ہیں

ترا حال کیا اُن سے اے دل میں کہتا
کسی وقت بھی وہ اکیلے ہوئے ہیں

یہ خوشرو نہ تھے ایسے طفلی میں بدخو
یہ پھل اور پک کر کسیلے ہوئے ہیں

بہت زلف میں کر چکے موشگافی
یہ ڈورے ہمـارے اُکیلے ہوئے ہیں

اُدھر قتل کا داؤ وہ ڈھونڈتے ہیں
اِدھر جان پر اپنی کھیلے ہوئے ہیں

بہت روح مجنوں کا ہے پاس ہم کو
کہ ہم اور وہ ساتھ کھیلے ہوئے ہیں

غم ہجر کی نال اُتھائی ہے برسوں
ہمارے بھی یہ ڈنڈ پیلے ہوئے ہیں

سمٹ کر ہوئی ہے وهیں جمع خلقت
گیا ہے جہاں یار، میلے ہوئے ہیں
شرر خاک اپنے نصیبوں کو روؤں
ڈلے زر کے مٹی کے ڈھیلے ہوئے ہیں

کریم اللہ بیگ، شفا

مرزا کریم اللہ بیگ نام، تخلص شفا، أنور علی بیگ لکھنوی کے صاحب زادے تھے، لکھنئو ہی میں قیام تھا، برق کے شاگرد تھے - مولف تذکرۂ سخن شعرا نے غلطی سے اِن کا نام مرزا کریم بیگ لکھا ہے، مگر بیاض میں اِن کا نام کریم اللہ بیگ لکھا ہے - اور چونکہ یہ ایک معاصر کی مرتب کردہ ہے، اِس واسطے یہی زیادہ معتبر ہے؛ اِس کے علاوہ مرتب بیاض بھی لکھنئو ہی کے رہنے والے تھے - اِن کا بھی دیوان جمع ہو گیا تھا، مگر خیال ہے کہ شائع نہیں ہوا - مرتب سخن شعرا نے صرف دو شعر نہایت پھیکے لکھے ہیں، ہم کو یہ کلام دستیاب ہوا -

فیصلہ بوسوں کا کر لو کہ پھر انکار نہ ہو
کوئی گنجلک نہ رہے، وقت پہ تکرار نہ ہو
مہندی ملنے سے کہیں، رنگ حنا بار نہ ہو
بار کاکل سے کہیں خم، کمر یار نہ ہو
باغ میں دیکھنا نرگس کا برا ہے، او گل،
کہتے ہیں سامنے بیمار کے، بیمار نہ ہو
ضعف فرقت سے، رگیں جسم کی زنجیریں ہیں
هنسلی گردن کی، کہیں طوق گرانبار نہ ہو

ناتواں ایسا ہوں، ہجر کمر جاناں میں
شکل ہمزاد، کہیں میرا تن زار نہ ہو
شب کو سودے میں یہی رہتا ہے دھڑکا ہر بار
غل سے زنجیر کی وہ بت، کہیں بیدار نہ ہو
بات دیوانوں کی سن لو نہ اکیلے نکلو
خوف آتا ہے پری سایۂ دیوار نہ ہو
خوف آتا ہے شفا، سن کے خفا ہو نہ صنم
راز اُس جا کہوں جس جا در و دیوار نہ ہو

یکتائی پہ ناز جب کیا ہے | آئینہ اُسے دکھا دیا ہے
شکوا ہے نہ اب نہ کچھ گلا ہے | جو تم نے کیا وہی بجا ہے
کیا یار کے جسم کی صفا ہے | آئینہ ہر ایک نقش پا ہے
دے گھڑکیاں جھڑکیاں بجا ہے | یہ دل کے لگانے کی سزا ہے
او دست جنوں، کرے گا کیا تو | خاک در یار اب قبا ہے
اُڑ اُڑ کے گیا ہے نامہ اُس تک | قاصد کو جو پوچھو تو صبا ہے
نام اُس کا جو پوچھو، بیمروت | پوچھو جو لقب تو بیوفا ہے
آیا نہیں زلزلہ زمیں پر | نشہ میرا تڑپ رہا ہے
گیسو کو نہ چھیڑو دیکھو رخ کو | جا کے ختن میں تو خطا ہے
بتلا دوں کہوں تو خال رخ کا | گیسو کو نہ پوچھو، بد بلا ہے

کیا ہجر بتاں میں ضعف آیا
آنسو میں عرق جو اے شفا ہے

پنڈت بشن نتھو' صبر

لکھنئو کے رہنے والے اور کشمیری الاصل پنڈت تھے ' نہائت مشاق خوشگو تھے' فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے - قصائد ' غزل' تاریخ وغیرہ کے بڑے ماہر تھے - اور ریاست رامپور میں ملازم تھے - اِن کا ایک صحیح کلیات' غالباً انہیں کے ہاتھ کا لکھا ہوا ' میرے کتبخانے میں موجود ہے - اُس میں نثر و نظم دونوں کو جمع کیا گیا ہے - اور سچ یہ ہے کہ ہر صنف سخن میں خوب خوب جوہر طبع دکھائے ہیں - نواب کلب علی خاں بہادر کے عہد میں ملازم تھے - اُن کی مدح و ثنا اور رامپور کی بہت سی عمارتوں وغیرہ کی تعریف میں' قصائد ' تاریخیں اور نثریں' لکھی ہیں - اب تک کلام کہیں شائع نہیں ہوا - سنہ ۱۳۰۱ھ تک زندہ تھے - سرشار وغیرہ کے معاصر تھے - اِن کے اردو کے کچھ منتخب کلام کو درج کرنا کافی سمجھا گیا -

روبرو غیروں کے کب وہ مسکرا دیتے نہیں
آتش غیرت سے کب مجھ کو جلا دیتے نہیں

زور کیا کیا نالہاے دل دکھا دیتے نہیں
گنبد گردوں کو ہم کس دن ہلا دیتے نہیں

خوبرو بوسہ لب جاں بخش کا دیتے نہیں
ہیں مسیحا' پر مریضوں کو شفا دیتے نہیں

ماہرویوں کو دل عاشق دکھانا یاد ہے
گالیاں محفل میں کب وہ برملا دیتے نہیں

درد و غم سرھنگیاں کرتے ہیں میرے غم کیساتھ
محفل عشرت میں جانے کی رضا' دیتے نہیں

دردِ پہلو، داغِ سینہ، زخمِ دل، سوزِ جگر

کون سی خواہش مری باقی ہے کیا دیتے نہیں

لاکھ ڈھونڈھا موت نے پایا نہیں میرا پتا

خاک میں اِسطرح اے ظالم ملا دیتے نہیں

دل کے بھر جانے سے ہوتا ہے صفائی کو زیاں

دیدۂ تر بے سبب آنسو بہا دیتے نہیں

میری بربادی کو آندھی ہیں حسینانِ جہاں

کب مرا نقشِ تنِ خاکی مٹا دیتے نہیں

خاکساری خوشنما ہے اے دلِ ناداں، ولے

آپ کو اتنا بھی مٹی میں ملا دیتے نہیں

پھر تسکیں آرزومند لبِ جاں بخش کو

تم لبِ سوفار سے کیا کیا مزا دیتے نہیں

ناتواں ہوں، حسرتِ دیدار باقی ہے مجھے

آشنا اُس آفتِ جاں کو بلا دیتے نہیں

گل میں اُس عارضِ گلرنگ کی ہے بو، پیدا

چشمِ نرگس میں ہے اُس آنکھ کا جادو، پیدا

بات کرتا ہے نئی، ظالم بدخو پیدا

کیا کرے عذر، اسیرِ خمِ گیسو پیدا

یوں پرستان میں ہوں لاکھ پریرو پیدا

یہ ادا کب ہے جو کرتا ہے ادا تو پیدا

آدمی وہ، جو فرشتے کی کرے خو پیدا

پھول وہ خوب ہے، جس پھول سے ہو بو پیدا

ہمسری نرگس مخمور سے آسان نہیں
ایسی شوخی تو کرے دیدۂ آھو پیدا

شور ہے شہر میں پھر نوح کا طوفاں آیا
یا الٰہی یہ کہاں سے ہوئے آنسو پیدا

یا الٰہی نظر آ جائے جمال رخ دوست
ایسی صورت کرے آئینۂ زانو پیدا

دیکھے پھر عاشق جانباز کی ثابت قدمی
پہلے جوہر تو کرے خنجر ابرو پیدا

مرض عشق مسیحا سے بھی اچھا نہ ہوا
یوں تو ہر درد کی خاطر، ہوئی دارو پیدا

کس قدر عقل پہ ارباب جہاں نازاں ہیں
ذہن میں اپنے ہوئے ہیں یہ ارسطو پیدا

دشت وحشت میں گیا صبر تو مجنوں نے کہا
شکر صد شکر ہوا قوت بازو پیدا

موت اب بہتر ہے جینے کا مزا باقی نہیں
رنگ بدلا اہل عالم کا، وفا باقی نہیں

سیر ہوں جینے سے مرنے کی دعا ہے ورد لب
اور اب خالق سے کوئی التجا باقی نہیں

جاں بلب ہوں، جلد تر لانا جواب خط شوق
کچھ بھی حالت مجھ میں اے بادصبا، باقی نہیں

دوست سمجھے تھے تمہیں، دیکھا تو دشمن سے سوا
آپ سے بے اعتنائی کا گلا باقی نہیں۔

دو گھڑی یاد خدا بھی شرط ہے اے منعمو،

راحتیں دنیا کی فانی ہیں، سدا باقی نہیں

جسم فرسودہ ؛ کمر پُر خم، پریشاں ہیں حواس

حالت پیری ہے، جینے کا مزا باقی نہیں

قالب بے روح کی نسبت ہے دنیا پر درست

بے وفا موجود ہیں، اہل وفا باقی نہیں

اہل دنیا در کنار اے صبر یہ اندھیر ہے

خاطر زہّاد میں یاد خدا باقی نہیں

صحیم

تذکروں سے نام و مقام وغیرہ کسی چیز کا پتا نہ چلا - سوائے اِس کے کہ جہاں، قلق اور خواجہ وزیر وغیرہ کی غزلیں، اُس بیاض میں درج ہیں؛ وہیں ایک غزل اِن کی بھی ہے - اِسی سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ بھی اُنھیں لوگوں کے معاصر تھے، غزل میں وہی لکھنئو کا رنگ قدیم جھلک رہا ہے، تو شائد یہیں کے رہنے والے بھی ہوں گے -

غزل صحیم

جو رنج مجھ پہ ہوتے ہیں اُن کو خبر نہیں

سوتا اِسی خیال سے میں رات بھر نہیں

شفقت سے مجھ پہ آپ تو کرتے نظر نہیں

اور آپ سے عزیز مجھے اپنا سر نہیں

جو اِس جہاں میں باغ ہزاروں لگا گئے

افسوس ہے مزار پر اُن کے شجر نہیں

زخمی وہ ہم کو کرتے ہیں ابرو کی تیغ سے

غیر از دل اپنے پاس کوئی شے سپر نہیں

بالائے بام اپنے وہ بیٹھا ہے ناز سے
تا صبح اب فلک پہ طلوع قمر نہیں

دانتوں سے آپ کے میں اُسے کیا مثال دوں
اک قطرہ آب کا ہے صدف میں گہر نہیں

مونس نہیں ہے باتیں کروں کس سے اے خدا
میری شب فراق قریب سحر نہیں

ایسا نہ ہو نظر لگے میں کہتے ڈرتا ہوں
ہیکل کا بوجھ اُٹھانے کی قابل کمر نہیں

دانتوں سے اپنے ہونٹوں کو میں کاٹ ڈالوں گا
اب بوسہ دینا آپ کو منظور اگر نہیں

موجود سر ہے آپ کے صدقے کے واسطے
اِس کے سوا تو پاس مرے مال و زر نہیں

ناحق کو آپ ڈرتے ہیں آتے ہوئے یہاں
واللہ میرے گھر میں ذرا بھی خطر نہیں

مسکن کو میرے جان کے تو پوچھتا ہے یار
درویش لامکاں ہوں، کہیں میرا گھر نہیں

ہر شعر آبدار تمہارا ہے اے صحیح
کیوں کر کہوں کہ نظم یہ سلک گہر نہیں

مبتلا

اِن کے نام و مقام کا پتا نہیں - اِس تخلص کے کئی آدمیوں کا ذکر تذکروں میں دیکھا - افسوس ہے کہ کسی پر بھی یہ گمان نہیں کیا

جاسکتا کہ یہ وہی ہیں - جس مبتلا کا ذکر میں کر رہا ہوں اِن کا ایک دیوان قلمی' جو سنہ ۱۱۸۳ھ کا لکھا ہوا ہے' میرے کتب خانے میں موجود ہے - جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ولی کے معاصر تھے ' دکن کے رہنے والے تھے - ولی پر بعض بعض جگہ چوٹیں بھی کی گئی ہیں - اور اُن کی غزلوں پر غزلیں بھی ' اِس میں موجود ہیں - وہی زبان ' وہی محاورات ' وہی طرز بیان اور اُسی قسم کے جذبات ہیں - کسی تذکرے سے یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ ولی نے پہلے دیوان جمع کیا یا اِنھوں نے' بہر حال یہ اُن کے معاصر ضرور ہیں اور اِن کے دیوان کو دیکھ کر یہ کلیہ باطل ہو جاتا ہے کہ ولی نے سب سے پہلے دیوان جمع کیا - ہم اِس پر ایک مفصل مضمون کسی دوسری جگہ لکھیں گے' یہاں پر صرف دو ابتدائی غزلیں نقل کر دینا کافی سمجھتے ہیں -

اے یار' تری یاد ہے نت شغل دلاں کا
اور نانو ترا ورد ہے دو جگ کی زباں کا

زینت ہے کتاباں کو تری حمد و ثنا سوں
ہے شکر ترا زیب خلائق کے دہاں کا

تجھ ذات کے ادراک منے عقل ہے عاجز
قاصر ہے ترے وصف منے خامہ بیاں کا

موجود حقیقی سٹی ہستی ہے سبھوں کی
ذرات مُنے فیض ہے خورشید جہاں کا

مشتاق ترے درس کے صاحب نظراں ہیں
دیدار ترا نور ہے از بسکہ انکھاں کا

روشن ہے ترے جوت سٹی دیدۂ عالم
منظر ہے ترا چہرہ سدا پیر و جواں کا

ماہیت کونین ہے مکشوف اُس اوپر
واقف ہے ازل سے جو ترے راز نہاں کا
ہجراں کی زمیں بیچ ترے وصل کے جل بن
تڑپھے ہے جگر میں نمن خورد و کلاں کا
تجھ باغ کی محبت کے اندر اے گل یکتا
ممکن نہیں اک آن گذر فصل خزاں کا
موسیٰ کا لیا ہاتھ میں دل ایک نگہ سیں
حیراں ہے ترے سحر سوں فرعون زماں کا
دریائے معانی کا ہوا مبتلا غواص
وہ دُر ہے بجا شیفتہ مجھ طبع رواں کا

اثر ہے اے للن یاقوت میں تجھ لب کی لالی کا
دل مہتاب میں ہے عکس تیری زلف کالی کا
سلونے حسن کی تعریف کرنا ہے نمک کا حق
پڑا ہے شور خوباں پاس میرے یوں حلالی کا
ہوئی عشاق کو مستی، تجھے اکبار دیکھے سوں
نشا ہے تیری انکھیاں میں شراب پرتگالی کا
کیا ہے حق نے اُس کوں اِس جہاں میں خضر کا ہمسر
مزا جس نے چکھا ہے تیری گفتار زلالی کا
سنا ہوں شرق کے مکتب منے روشن سواداں سوں
تری ابرو ہے بسم اللہ دیوان ہلالی کا
تری باتاں کی نرمی نے کیا ہے موم خاراں کوں
جلی ہے شمع سن چرچا تری صاحب خیالی کا

کرے اسبار شاگردی سخن شیریں کی کہتے ہیں

اگر طوطی سنے احوال مجھ شیریں مقالی کا

نزاکت تجھ قدم کی دیکھ تیرے پانوں دھرنے کوں

گل اندامان نے اپنے کوں کیا ہے نقش قالی کا

لگایا ہے جدھاں سوں دھیان تجھ مہ رو سنی اپنا

ہوا ہے غلغلہ افلاک پر مجھ فکر عالی کا

رنگیلے شعر کہتا ہوں سدا گلرو کی خوبی میں

بجا ہے شہرہ' عالم میں تری رنگیں جمالی کا

رقیباں سے لپٹنا دور کر دے چھوڑ اے چنچل

کہاں لگ مبتلا شکوا کرے تجھ خورد سالی کا

ہم مبتلا ہی کے ذکر کے بعد اپنے مقدمے کو ختم کر دینا بہتر سمجھتے ہیں - اگرچہ ابھی اور بھی ایسے لوگ موجود ہیں' جن کے کلام کا ذکر کیا جاسکتا ہے - مگر طول کلام کے سوا اور بعض وجوہات بھی ہیں' جن کی بنا پر اُن شعرا کو نظر انداز کرتے ہیں' جن کی بعض کتب یا دواوین کبھی مرتب ہوئے -

خیال ہے کہ یہ اوراق پریشان جن کو اب ایک کتابی صورت حاصل ہوگی نہ صرف اُن شعرا کے کلام ہی کو پیش کرسکیں گے' جن کا تذکروں میں نام بھی نہیں - بلکہ اِس کے علاوہ اکثر ریسرچ کرنے والوں کی کافی مدد کریں گے -

عبدالباری آسی

دو نایاب زمانہ بیاضیں اور اُن کا اِنتخاب

بیاضوں کا رواج قدیم زمانے سے چلا آتا ہے - ہر مذاق اور خیال کے لوگ مختلف قسم کی بیاضیں رکھتے تھے - مثلاً حکیموں کی بیاض ، صوفیوں کی بیاض ، عاملوں کی بیاض ، ادیبوں کی بیاض ، شاعروں کی بیاض ، اِن بیاضوں میں نہایت نادر چیزیں درج ہوتی تھیں ، غزل ، رباعی ، مثنوی ، دوھے ، چوپائی ، کبت ، گیت ، حکایتیں ، داستانیں ، نقش ، طلسمات ، نسخے اور لطیفے وغیرہ ، اِس طرح اِن بیاضوں کی بدولت معلومات اور تجربات کا جو رنگا رنگ مجموعہ ھات آتا تھا ، اور اُن سے جو عجیب اور نادر چیزیں نکلتی تھیں وہ کتابوں کے دفتر کے دفتر اُلٹنے سے بھی میسر نہیں آسکتیں - مجھے بیاضوں کے جمع کرنے کا بے انتہا شوق ہے ، چنانچہ گذشتہ دور کے کئی کشکول اور بیاضیں فراہم کر چکا ہوں - لیکن وہ زیادہ تر ادبیات فارسی پر مشتمل ہیں - اُردو کی بیاضوں میں سے ایک بیاض مجھے سنہ ۱۹۱۱ع میں ملی ، جو منشی عبدالغفار صاحب اخگر اَلدنی شاگرد استاد ذوق کی مرتب کی ہوئی تھی - اُس میں اُن کے معاصرین کا کلام اور خود اُن کی بعض غزلیں اور نظمیں تھیں - چونکہ یہ خود ذوق کے شاگرد تھے ، اِس واسطے اپنے استاد بھائیوں کا کلام زیادہ جمع کیا ہے - چنانچہ اِس میں ذوق کے ایسے مشّاق شاگردوں کا کلام بھی ہے جن کے مشہور وقت ہونے کی وجہ سے تذکروں میں نام اور ایک ایک دو دو شعر تو ضرور ملتے ہیں مگر عام طور سے اُن کی کوئی پوری غزل دستیاب نہیں ہوتی - اُن کا ذکر تذکروں میں محض حروف تہجی کی رعایت سے

۲

آ گیا ہے - اِسی واسطے بڑے بڑے محققوں اور تذکرہ نویس نقادوں کو بھی اُن کے حال پر اطلاع نہیں ، کلام تو کجا ؟

مولانا حسرت موہانی نے بڑی کد و کاوش سے شعرا کے شجرے قائم کیے اور سلسلے ملائے ہیں - اُن میں شاہ نصیر اور ذوق کا سلسلہ بھی ہے - مگر میں نے اِن ناموں کو جو اِس بیاض سے مجھے ملے اور وہ شیخ ابراہیم ذوق کے مایۂ ناز اور مشہور شاگرد تھے ، حسرت کے قائم کردہ سلسلے سے ملایا تو ایک نام بھی نہ ملا - اِسی طرح ذوق کے شاگردوں کے علاوہ اور لوگ بھی ہیں جو ڈھونڈھے نہیں ملتے اور نہ اُن کا کلام دستیاب ہوتا ہے - بہر صورت اِس بیاض سے مجھے ذوق ، غالب اور مومن کے زمانے کے وہ لوگ مل گئے جن کے نام اور کلام کو زمانے نے مٹا دیا تھا لیکن حقیقتاً زمانے سے اُن کو اور اُن سے زمانے کو روشناس ہونا چاہیے تھا - اگرچہ اب شاعری کی روش بدل گئی ہے - جس زمانے میں ہم ہیں وہ چیزیں اُن کے یہاں ہم کو نہیں ملتیں - مگر جس دور کو اُنھوں نے طے کیا ہے اُس دور کے بےشمار جواہر اُن کے خزانے میں موجود ہیں ، اور انصاف والی نظریں اُنھیں سرمایہ داران شعر میں شامل کر سکتی ہیں -

اس بیاض کو اخگر مرحوم نے غالباً تیرھویں صدی ہجری کے نصف میں مرتب کیا تھا - کیونکہ اِس میں اِس کے بعد کے سنین پائے جاتے ہیں - اور یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ صاحب بیاض نے اکثر لوگوں کو خود دیکھا تھا - اگرچہ وہ ملازمت کی مجبوریوں سے اپنے وطن اُلدن سے (جو دہلی کے قریب اور توابع میں ہے) بہت دور جا پڑے تھے اور سیالکوٹ پنجاب میں مقیم تھے - مگر وہ ذوق کے شاگرد تھے - اور اپنے اِس ذوق کے پورا کرنے کے لیے پنجاب سے وطن آتے تو اکثر استاد ہی کی خدمت میں رہتے اور مشاعروں میں شریک ہوا کرتے - جہاں اُن کو اِن

میں سے اکثر لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا تھا - کیونکہ دہلی میں اِس وقت باکمالوں کا ایسا مجمع تھا جو اب شاید قیامت تک نصیب نہ ہو -

اِس میں بعض وہ شاعر ہیں جو ہمیشہ قلعۂ معلّٰے اور غازی الدین خاں کے مدرسے کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے - اور غالب و مومن کے پہلو بہ پہلو بیٹھ کر غزلیں پڑھتے تھے - چنانچہ بعض ہمطرح غزلوں سے خود اندازہ ہو جائے گا - میں نے اِس بیاض کو بیاض نمبر ۲ کے نام سے موسوم کیا ہے ' اگرچہ دستیاب ہونے کی حیثیت سے یہ اول ہے -

دوسری بیاض وہ ہے جو اِس سے بہت زیادہ قدیم ہے اور وہ مجھے سنہ ۱۹۳۶ع میں دستیاب ہوئی - یہ بیاض یقیناً میر و سوداؔ کے عہد میں مرتب ہوئی - کیونکہ اِس عہد کے بعد کا کوئی شاعر اِس میں نہیں ہے - اِس کی تحریر کا انداز بھی وہی ہے جو متقدمین کا تھا - رسم الخط ایک ایسی بیّن دلیل ہے کہ اُس سے انحراف نہیں ہو سکتا - کو کے بجائے (کوں) ' سے کے بجائے (سیں) ' جی کے بجائے (جیو) ' راے ثقیلہ کے بجائے اکثر الفاظ میں دال ہندی یعنی ڈال - یہ کے بجائے (یو) ' تڑپ کے بجائے (تڑپھ) ' وغیرہ وغیرہ ' سب وہی چیزیں ہیں جو قدما میں رائج تھیں اور جن کو کم سے کم (۱۰۰) برس سے اُردو کی صفائی نے ناپید کردیا -

یہ بیاض اُردو اور فارسی دونوں طرح کے کلام سے بھری ہوئی ہے - اور کم سے کم ڈھائی سو تین سو صفحے کی ہے - کلام بھی ہر قسم کا ہے ' نوحے مناقب ' غزلیات ' دوہے ' مثنوی ' چیستاں ' رباعی اور قصیدے - اِس میں اُردو کے اکثر شعرا ایسے ہیں جن کے نام بھی تذکروں میں موجود نہیں - اور اکثر ایسے ہیں جن کے تذکرے مرتب کرنے والوں کو ایک ایک دو دو شعر سے زیادہ نہیں مل سکے - حالانکہ وہ اپنے فن میں کامل تھے ' اور زمانہ اُن کی قدر کرتا تھا - اب اُن کے ایک ایک دو دو شعر ملے بھی

تو کیا رائے قائم ہو سکتی ہے - اِس بیاض میں بعض کا کلام کثرت سے ہے بعض کا کم ' مگر ہے ضرور -

اِس بیاض میں اکثر تخلص لکھ دیے ہیں مثلاً (غزل حسرت) (غزل فدوی) اور یہ ظاہر ہے کہ صرف تخلص کی بنا پر تعین ذات دشوار ہے - اِس واسطے نہایت تلاش کے بعد کسی نہ کسی صورت سے معلوم کر لیا ہے کہ اگر کسی نام کے مثلاً چار شاعر ہیں تو یہ کون سا ہو سکتا ہے ؟ اِس میں یہ صورت رہی ہے کہ میر وغیرہ کے زمانے سے بعد کے اُس تخلص کے شاعر کی طرف تو کوئی اعتنا ہی نہیں کی - اُس وقت کے یا اُس سے پہلے کے لوگوں کے طرز کلام کو ملایا ' اور اِس کے ساتھ کہیں کہیں اُن لوگوں کے وہ بعض شعر بھی تذکروں میں مل گئے جو بیاض میں لکھی ہوئی غزل میں شامل تھے - اِسی طرح کے اور قرینے جو شاعر کے پہچاننے میں مدد دیتے ہیں - وہ لوگ جن کے نام کا پتہ نہ چلا اُن کو اُسی طرح لکھدیا ہے - بہر حال اِس میں شک نہیں کہ اُن میں زیادہ وہ لوگ ہیں جو آسمان ادب پر آفتاب بن کر چمکے ہیں ' اور اُن کی شاعری مسلم تھی ' اور آج اُن کے کلام کے نایاب ہونے کی وجہ سے اُن کو کوئی نہیں پہچانتا ' یا آنکھوں کو اشتیاق باقی رہتا ہے کہ اور کچھ اُن کے کلام سے لذت اندوز ہوتیں -

اِسی کے ساتھ وہ لوگ بھی ہیں جن کا کلام موجود ہے - دیوان چھپ چکے ہیں - مگر یہ کلام جو اِس بیاض میں موجود ہے نہ وہ دیوانوں میں ملتا ہے اور نہ اب کسی سے سنا جاتا ہے - اُس کو منظر عام پر نہ لانا ' اور اہل ادب کو اُس سے مطّلع نہ کرنا ایک قسم کا ادبی غصب یا بددیانتی تھی - خاص کر اُن ہستیوں کا باقی ماندہ غیر مطبوعہ کلام جن کے نام کی دنیاے ادب میں پرستش ہوتی ہے ' جیسے میر و سودا '

غالب و مومن کے دیوان آج ہمارے سامنے ہیں ؛ تاہم اُن کی کسی غیر مطبوعہ غزل یا قصیدے یا رباعی ' یا مثنوی یا شعر کا پیش کرنا ادب اُردو میں اضافہ کرنا ہے -

بہر حال یہ ایک کوشش ہے ' جو ممکن ہے کہ اہل ذوق میں مقبول ہو -

ہم پہلے بیاض اول (قدیم) کا انتخاب پیش کرتے ہیں اور آخر میں بیاض دوم کے شعرا کو پیش کریں گے - جی چاہتا تھا کہ ترتیب بہ لحاظ حروف تہجی ہوتی مگر یہ کچھ صحیح نہ معلوم ہوا - زمانے کے لحاظ سے شعرا کو پیش کیا گیا ہے - جن لوگوں کا مفصل ذکر تذکروں میں موجود ہے اُن کا نہایت مختصر حال لکھا ہے - کیونکہ یہ تطویل ' تحصیل حاصل تھی -

ہم نے اِس انتخاب کے چار دور قائم کیے ہیں اور ہر دور کے اول میں بطریق تمہید کچھ عبارت ایسی لکھ دی ہے جس سے ناموں کی معلومات میں اضافہ ہوسکے گا -

طبقۂ اول

طبقۂ اوّل سے میری مراد وہ شعرا ہیں جو ولی دکھنی کے معاصر یا اُن سے پہلے تھے - بیاض موجودہ میں ولی کی بہت سی غزلیں موجود ہیں ؛ اور ایسی بھی ہیں جن میں ایک آدھ شعر مطبوعہ غزلوں سے زیادہ ' یا بعض غزلوں میں تغیرات اور تبدیلی الفاظ ہے - مگر اتفاق سے وہ سب ہم کو اُس مجموعۂ دیوان ولی میں مل جاتی ہیں جو مولانا احسن مارہروی نے مرتب فرمایا ہے ' اس لیے اِن معمولی تبدیلیوں یا دو ایک شعروں کا لکھنا بیکار ہے - ولی کے علاوہ بعض اور لوگ بھی ہیں ؛

مگر اُن کا صحیح صحیح پتہ نہیں چلتا - البتہ ایک اور بیاض* میں ولی کے معاصرین کی غیر مطبوعہ غزلیں ملتی ہیں ، جن میں سے ایک احمد گجراتی ہیں اور دوسرے نرنجن داس ، متخلص بہ نرنجن ، لہذا اِس طبقے میں صرف یہی دو شاعر رکھے گئے ہیں -

---

احمد

احمد علی خاں نام ، احمد تخلص اور گجرات وطن تھا - ولی کے معاصرین میں تھے - شعر ہندی اور دوہا کبت وغیرہ بھی کہتے تھے - سنسکرت کے زبردست عالم تھے ، اور نہایت پختہ مشق تھے - غالباً ریختے کا پورا دیوان مرتب ہو چکا تھا ، کیونکہ مجھے قدیم بیاض میں جو غزلیں ملیں وہ ردیف (ب) (ت) (ث) (و) (ل) پر بھی مشتمل ہیں - چونکہ اِن ردیفوں میں جو غزلیں کہی جاتی ہیں وہ صرف ردیف کی خانہ پُری اور دیوان کے پورا کرنے کے لیے لکھی جاتی ہیں ، اِس واسطے شاید دیوان کی ترتیب کے متعلق میرا خیال غلط نہ ہو - بہر صورت اب اِن کا کلام بالکل مفقود ہے ، اور اب کیا ، اُس کو مفقود ہوئے بھی ایک زمانہ گزر چکا ہے - کیونکہ میر تقی میر نے احمدی گجراتی کے نام سے اِن کا ذکر کیا ہے - اِس کے سوا نہ کوئی پتہ ہے نہ نشان ، صرف پانچ شعر اُن کے نقل کر دیے ہیں ، جو ایک ہی غزل کے ہیں ، مطلع یہ ہے :

ہوئے دیدار کے طالب خودی سے خوں گزر نکلے
نہ پائی راہ دانش میں خروشاں بےخبر نکلے

اِس میں مقطع نہیں ہے - اِسی وجہ سے میر نے سہو سے احمد کے بجائے احمدی لکھ دیا ہے - تذکرۂ لچھمی نارائن شفیق میں بھی میر ہی کا اتّباع کیا گیا ہے - اُنھوں نے احمدی نام شاعر کے متعلق کچھ توصیفی

عبارت لکھی ھے اور پھر میر کے تذکرے کا حوالہ دیتے اور یہ کہتے ہوئے کہ
" ایں بیت طبع زادش میر محمد تقی میر می نویسد " صرف ایک شعر
اُن کا نقل کر دیا ھے - اِس سے ثابت ہوتا ھے کہ میر کا جو تذکرہ ، شفیق
کی نگاہ سے گزرا اُس میں احمد کا ایک ھی شعر تھا - میر حسن نے اپنے
تذکرے میں اُن کو احمد گجراتی کے نام سے یاد کیا ھے اور لکھا ھے
" احمد گجراتی از قدیم است دگر احوالش معلوم نیست " - اِس کے
بعد وھی ایک شعر نقل کر دیا ھے جو میر کے تذکرے میں احمد کی غزل
کے مطلع کی حیثیت سے موجود ھے -

قائم نے اِن کے متعلق لکھا ھے کہ یہ گیت ، دوھرہ سب کہتے تھے اور
سنسکرت کے عالم تھے ، ولی کے معاصر تھے ، اور اِن کا کلام بہت دل نشین
تھا - اِس کے بعد تین شعر نئے نقل کیے ھیں -

باقی تذکرہ نویسوں مثلاً مسٹر ایف فیلن نے گلزار ابراھیم میں
اِنھیں احمد گجراتی ھی کہا ھے اور وھی فارسی کے تین شعر

گر بیضۂ زاغے کسے در زیر سیمرغے نہد
از اصل خود ناید بروں آخر گلیلا ہوئے پر [۱]
گر طفلکے بازی گرے خوانندۂ و عالم شود
اصلےکہ دارد رو دھد آخر رنبورا ہوئے پر
گو بچۂ شیرے کسے با شیر رو بہ پرورد
مردی کہ دارد کے رود آخر بگیلا ہوئے پر

اور دو ایک شعر میر کے تذکرے سے نقل کیے ھیں -

غرض ، بجز تذکرۂ قائم کے ، تذکرۂ میر ، تذکرۂ شفیق ، تذکرۂ شوق ،
تذکرۂ ایف فیلن صاحب ، تذکرۂ میر حسن ، تذکرۂ گلزار ابراھیم ، تذکرۂ

[۱]—ہوئے پر کا مفہوم " آخر ہوکر رھے " سمجھنا چاہیے ، (ادارہ) -

آب حیات ' اور تذکرۂ خمخانہ وغیرہ میں وہی مشہور پانچ شعر ہیں - فارسی کے شعر تو مہملیت سے خالی نہیں - اردو کے شعر آٹھ ہیں ' جو احمد کے رنگ سے خالی ہیں - مگر جو غزلیں ہم کو ملی ہیں وہ ایک قدیم بیاض کی ہیں جس میں ولی اور احمد کا کلام ساتھ ساتھ دیا گیا ہے اور وہ تعداد میں ۹ ہیں - جن کو میں ایک مرتبہ رسالۂ سخنور میں نقل کر چکا ہوں - مگر چونکہ یہ کلام بالکل نایاب ہے ' اور پھر نہایت عمدہ بھی ہے اس لیے اِس مجموعے میں بھی اُن کو شامل کیا گیا ہے -

احمد کے کلام کی خصوصیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ خیالات تصوف سے لبریز ہے - سوز و ساز عشق اُس میں بدرجۂ اتم موجود ہے - اُس زمانے کے لحاظ سے سب معاصرین سے زیادہ اِن کے یہاں صفائی ہے - اصطلاحات متصوفین کا خوبی سے استعمال کرتے ہیں - قرآن شریف کی آیتوں کے پورے پورے ترجمے اِن کے شعروں میں سموئے ہوئے ہیں - جذبات نہایت بلند ہیں - اِن پابندیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عارف کامل بھی تھے - ذیل میں اِن کی وہ غزلیں درج کی جاتی ہیں جو ہم کو ایک دوسری قدیم بیاض سے دستیاب ہوئیں جن کو سخنور میں لکھا بھی جا چکا ہے -

(۱)

ساجن جب اپنی مہر سے کرنے لگے خطاب
مقدور نہیں کسی کا جو دیوے اُسے جواب

دل مت گیا لبان و بھواں' نین و خال میں
ڈھائی جو فوج حسن ' ہوا خانماں خراب

زنجیر زلف یار ' گلے میں کمند ہے
سر کو جھکا دیا ہے ' مبادا نہ ہو حساب

مقصود امتحاں سے وفا ہے صنم کا جور

اُس کی جفا ہے شیدا کو' نت راحت و صواب

کرتا ہے شیخ طعنہ کہ عاشق کو عقل نہیں

زہد و ورع کو چھوڑ ہے مستوجب عذاب

عاشق کہےکہ شیخ تو ٹک اِس گلی میں آ

زہد و ریا صواب ہے اور عاشقی عذاب

اِس نحو صرف فقہ نے تجھکو کیا خراب

آ سیکھ فقر مجھ سے یہ ہے عشق کی کتاب

عاشق پہونچ گیا ہے ز ہمّت بہ کوے یار

تو پھنس رہا ریا میں ' چو خر در رہ کلاب

یہ زہد خشک شیخ کو زنجیر پا ہوا

عاشق کے دل کو دیکھ کے جلتا ہے جوں کباب

پیو کی گلی کٹھن ہے نہ جاوےگا بوالہوس

صیاد کو جو دیکھے تو کیونکر پھنسے عقاب

نہیں بوالہوس کا کام جو جور صنم سہے

کب دیکھے آنکھ بھر کے کوئی سوے آفتاب

احمد کو آج نقد ہے دیدار گل رخاں

نسیہ ہے تجھ کو' حشر میں ہووےگا جب حساب

(۲)

سریجن کا ستم کرنا بجا ہے کرے ہے امتحاں کس میں وفا ہے

یہ آتش عشق کی ہے آزمائش کھرا کھوٹا عیاں [۱] زر کا کیا ہے

جفا ہر بوالہوس کو زہر لگتی بلا عاشق کے حق میں خوشنما ہے

[۱]—عیار ؟ (ادارہ) -

مثال قند کھاوے کبک اتارا — جو کھاوے اور طائر تو بلا ھے
ھے جلوا زھر بیماروں کو لیکن — طبیباں کو غذا ھے اور دوا ھے
سمندر آگ میں رھتا ھے شب روز — یہ تمثیلات عاشق پر روا ھے
کرے نظارہ حسن دلربا وہ — کہ جس نے آپ کو کیا ھے فدا ھے
مقام عاشقي ھے سخت مشکل — کہ جس کا دلربا خود مبتلا ھے
مثل مشہور ھے خالہ کا گھر نہیں — ستم ھے ظلم ھے جور و جفا ھے
جفا احمد کے حق میں امتحاں ھے
یہ فضل الله مجھ کو بس کفی ھے

(۳)

کچھ دنوں اور ھے جفا ھم پر — کچھ دنوں اور ھے بلا ھم پر
بعد عُسرت کے بسط آوے ھے — دل و جاں سے یقیں ھوا ھم پر
مخبروں نے کری ھے اُس کی خبر — یہ الم نشرح سے کُھلا ھم پر
قبض میں گرچہ خوف ھوتا ھے — ساتھ اُس کے لگي رجا ھم پر
قبض بسط ھیں گے لازم و ملزوم — غم میں شادي روا ھوا ھم پر
لوگ کھتے ھیں مجھ کو دیوانہ — جو کھے خلق سو روا ھم پر
عاشقی سے ھمیں کریں مطعون — امتحاں ھے وفا جفا ھم پر
خوش لگے اُس کی یہ ادا احمد
گاہ ھے مہر گہہ جفا ھم پر

(۴)

سجن کو دیکھ کے کھتا مرا دل — اُسي کے واسطے پیدا کیا دل
ھے واجب سب پہ گھر دیکھیں خدا کا — ولے جب آرسي سا ھو صفا دل
صنم نے جب نَین سے مجھ کو دیکھا — ھوا شیدا دوانہ مبتلا دل
بہت دل ھیں جو جانے ھے سو جانے — و لیکن اھل دل سب سے بھلا دل

کہوں میں وصف کیونکر دلربا کا — کہ جسکے دیکھتے حیراں ھوا دل
کہا اُس شوخ نے اک روز مجھ سے — صفا کر دل کو ھو کعبہ ترا دل
صنم ھے لا مکاں اِلّا مکاں ھے — قلوب المومنین ہم نے سُنا دل
ھزاروں دل میں کوئی صاحب دل — اُسے دل کب کہیں جیسا مرا دل

نہیں مقدور احمد کو کرے وصف
صنم کے راز کا جو آشنا دل

(۵)

اپنے عصیاں سے بہ درگاہ خدا ھے الغیاث
شرّ نفسی ھی نے عاجز کر رکھا ھے الغیاث
جز و کل کا نام روشن ھے تمہاری ذات پر
سرور کونین احمد مصطفیٰ ھے الغیاث
داد خواہ آیا ترے در پر امیرالمومنین
تم مغیث دو جہاں یا مرتضیٰ ھے الغیاث
یہ گدا آیا ھے ترے بار حسن مجتبیٰ [۱]
سیدالشہدا حسین کربلا ھے الغیاث
عابدین و باقر و جعفر کاظم و موسی رضا [۲]
اب تقی حضرت نقی مشکل کشا ھے الغیاث
دین و دنیا کی پناہ ھے عسکری نامدار
جی و قائم مہدی ھادی رضا ھے الغیاث
بہر حق فریادرس ھیں بیکسی میں شیر مرد
منتظر امداد کا احمد گدا ھے الغیاث

(۶)

نہ کر فکر ھرگز کہاں پیو کی ذات — بہ ھر شے محیط ھیں کی ذات و صفات

---

[۱] و [۲] — مصرعے غیر موزوں ہیں ، (ادارہ) ۔

جفا جو اُٹھاوے مشقت کرے   فنا میں بقا ہے اور ابدی حیات

جو نحو و فتنہ چھوڑ ہو مہر فقر   وہ زندہ ہے جاوید، کب ہے ممات

ہیں اِس بات پر متفق عاشقاں   سجن پاوے جو توڑے لات و منات

یہی راہزن شیخ و شیطان ہیں   اگر رند بولے، سنے کون بات

وہی دیکھے گھرحق کا جوکوئی نشست   گزر جا صفاتوں سے، گم ہو بہ ذات

یہ خاموشی بہتر ہے، احمد ہو چُپ

کہ مخبر نے فرمایا چُپ سے نجات

(۷)

حضور حسن دلبر ہے خجل درد   ہے معشوقوں میں وہ ممتاز اور فرد

عجب گل پھولتا ہے عشق میں سُن   رخ عاشق کُبھے سرخ و کُبھے زرد

کرے ہے صبر دل کو بےقراری   اُٹھے شعلہ جگر سے اور دم سرد

کرے جو مہر، ساجن، عاشقوں پر   تمامی عمر کا بھولے غم و درد

لگے گا جس کو تیر عشق کاری   وہ نت اُس کی گلی میں خاک ہے گرد

کرے ہے ہوش کو گُم عشق بازی   کدھر ہے گنجفہ چوسر، کہاں نرد

سجن کے عشق کا یہ ایک شمہ

سن اے احمد کہ ہو ہر خلق سے فرد

(۸)

جمال دیکھے سجن وہ جو ہو فنائے ظہور

وصال یار کا ہے دائم البقا مشہور

اگرچہ جور و جفا عشق یار میں ہے عیاں

ہوئی تجلّی انوار موسوی بر طور

ہو جس کا آئینہ ساں دل، نہ دیکھے غیر سجن

کہ تھا نصیب سے......یوسفا ہی منظور

ھوا تھا عشق میں لیلیٰ کے قیس مالا مال

ھوئے ھیں عشق میں مجنوں بھی اب تمام حضور

کہاں یہ دید کسی کو جو دیکھے عاشق کو

ھے نور مہر سے خفّاش بےبصیرت دور

سجن کے لطف کا کیوں کر بیاں ھو احمد

تمام خلق اُسی کا ھے ذاکر و مذکور

(۹)

یہ کائنات تمام اُس کے نور کا ھے ظہور

جو آنکھیں دل کی کھلیں، ھووے تب عیاں مستور

یہ دلربا کا ھے قصّہ جو لوگ پڑھتے ھیں

قرآن میں وھي انجیل میں وھی بہ زبور

مقلّدوں کو کہاں دید حق جو کرتے قال

قلیل ھیں گے محقّق ز بندہ ھاے شکور

مُرائی شیخاں کے حق میں ھے ھذہ الاعمیٰ [۱]

وہ کور دل ھے، نہ دیکھےگا نور حق کا ظہور

نہ چاھے احمد علي خان حور جنت کو

یہ آرزو ھے کہ دیکھے سجن کا نور ظہور

نرنجن

مجھے یہ تو معلوم نہ ھوسکا کہ نرنجن کون تھے؟ البتہ جس بیاض میں اُن کی غزل کے اشعار پائے گئے اُس کے آخر میں یہ بھي لکھا ھے،

---

[۱]—من کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الآخرۃ اعمیٰ واضل سبیلا کی طرف شاید تلمیح ھے، اور اِس صورت میں ھذہ الاعمیٰ غلط ھے، ھذہ اعمیٰ ھونا چاھئے، آیت کا ترجمہ یہ ھے کہ جو اِس دنیا میں اندھا ھے وہ آخرت میں بھی اندھا اور گمراہ ھے، (ادارہ)۔

(تمام شد نرنجن سیم ربیع الثانی سنہ ۱۱۹۳ھ) - اِس کے سوا کچھ معلوم نہ ہوسکا - اِس سے اِس قدر سمجھ میں ضرور آگیا کہ یہ متقدمین میں سے تھے -

اُسے کہتے ہیں پتنگ ہم تو عشقبازاں میں
کفن کو شمع کی ڈوری سے جن سیا ہوگا
اِس عاشقی کا ہے کیا سخت کفر کا مذہب
بتوں کا مارا نہ سنّی نہ یہ شیعا ہوگا
صف عاشقوں میں نرنجن ہے صاحب معنے
کہ بوریا کو جلاکر جو بے ریا ہوگا

طبقۂ دوم

اِس طبقے میں وہ شعرا لیے گئے ہیں جو شیخ حاتم و آبرو کے معاصر[۱] ہیں اور اُن کا غیر مطبوعہ کلام بیاضوں میں موجود ہے -
چونکہ یہ کئی شاعر ہیں اِس لیے اِن کے پیش کرنے کی ترتیب میں حروف تہجی کا خیال رکھا گیا ہے - اور وہ حسب ذیل ہیں :
(۱) آبرو (۲) حاتم (۳) حسن (۴) زمانی (۵) فغاں (۶) محزوں (۷) منصور (۸) نثار -

آبرو

آپ کا اصلی نام شیخ نجم الدین تھا ، اور شاہ مبارک لقب تھا - حضرت محمد غوث گوالیاری کی اولاد میں تھے ، اور حضرت سراج الدین علی خان آرزو کے شاگرد تھے ، آخر عہد محمد شاہ تک زندہ تھے[۲] - اپنے

[۱]—معاصرین میں وہ سب لوگ بھی شریک ہو سکتے ہیں جن کا زمانہ اِن دونوں بزرگوں کے آخر دور حیات سے ملتا ہے - مگر اُن میں سے اکثر کو میر و سودا کے دور میں لایا گیا ہے -

[۲]—سال وفات سنہ ۱۱۶۱ھ ، (ادارہ) -

وقت کے باکمال اساتذہ میں مانے جاتے تھے - مگر ایہام کے اِس قدر دلدادہ
تھے کہ تمام کلام اِسی رنگ سے رنگا ہوا نظر آتا ہے - ایک ضخیم دیوان
اُن سے یادگار تھا - مگر اب عنقا کی طرح نایاب ہے - بعد کو اُسی کا
انتخاب ایک بہت مختصر سا دیوان کبھی کبھی تلاش کرنے والوں کو دکھائی
دے جایا کرتا تھا ، اب مدتوں سے اُس کا بھی پتہ نہیں - اِن کا انتخاب
تھوڑا تھوڑا سب تذکروں میں پایا جاتا ہے جو اکثر باہم مشترک ہے ، مگر
ایک غزل جو ہم پڑھ کرتے ہیں وہ کسی تذکرے میں نہیں پائی جاتی -

جان اگر دشمن ہوئے ہو تم ہمارے اِس قدر
کیوں ہمارے دل کو لگتے ہو پیارے اِس قدر

اِس قدر ہے مجھ جگر میں داغ تیرے ہجر کا
آسماں اوپر نہیں ہیں ماہ و تارے اِس قدر

گاہ گاہے پیار کی انکھیاں سے کرتے ہو نگاہ
مہرباں ہوتے چلے ہو اب تو بارے اِس قدر

دیکھ نہیں سکتے ہیں ہم ، اپنی نگہ سے اے سجن
غیر کی انکھیاں سے انکھیاں ، مت ملا رے اِس قدر

عاجزوں کو بے گنہ آزار دینا کچھ نہیں
در جدائی آبرو کو مت ستا رے اِس قدر

قدر داں حسن کے کہتے ہیں اُسے دل بردہ
سانورے چھوڑ کے جو قدر کرے گوروں کی

شاہ حاتم

شاہ حاتم سنہ ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے - لفظ ظہور سے سنِ ولادت کا
اظہار ہوتا ہے - سترہ برس کی عمر یعنی سنہ ۱۱۲۸ ہجری میں شعر و

شاعری شروع کی[۱] - ایک کلیات جس میں ہر قسم کا کلام ہے، اور ایک انتخاب کلام موسوم بہ دیوان زادہ اِن سے یادگار تھا - مگر اب نہ کہیں کلیات ملتا ہے نہ دیوان زادہ - اور اب کیا، پچاس برس سے تقریباً نایاب ہے - شاہ حاتم کے حالات بڑے بڑے تذکروں میں مفصل ملتے ہیں - مگر ہم کو بھی اتنا لکھے بغیر چارہ نہیں ہے کہ حاتم اپنے وقت کے لاجواب اور بے نظیر اُستاد تھے - اُردو پر اُن کے گراں قدر احسانات ہیں - زبان کی صفائی میں ولی کے بعد اُنہیں کا نام خاص طور سے لیا جا سکتا ہے - سنہ ۱۱۹۶ھ میں عالم فانی کو چھوڑ کر عالم باقی کی طرف رہ سپر ہوئے -

یوں تو بجز اُس معمولی انتخاب کے جوہر تذکرے میں ملتا ہے، اُن کا تمام و کمال کلام کہیں بھی نہیں ملتا، نہ وہ کہیں شائع ہوا - مگر مولانا حسرت موہانی نے ایک مختصر سا اِنتخاب شائع کر دیا ہے جو میرے خیال میں اُن کے دیوان کا عشر عشیر بھی نہیں - مگر پھر بھی نہ ہونے سے اِس کا ہونا غنیمت ہے - اِس میں زیادہ تر غزلیں ہیں، اور وہ بھی ایسی جن میں قدیم طرز اور قدیم زبان نہیں ہے - جدید مذاق اور نئی روشنی جا بجا نمایاں ہے - ہم ایک قدیم بیاض سے اُن کی دو نظمیں پیش کرتے ہیں جو اُنہوں نے دہر آشوب یا شہر آشوب کے طور پر لکھی تھیں اور اُن کا نام بارہ صدی رکھا تھا - یہ سواے اِس کے کہ ہم نے رسالۂ سخنور میں ایک مرتبہ نقل کی تھیں اور حاتم کے مختصر حالات کے ساتھ شائع کر دی تھیں اور کہیں کبھی شائع نہیں ہوئیں - چونکہ نایاب، لطیف اور اُس زمانے کے حالات پر بہت کچھ روشنی ڈالنے والی ہیں - نیز اُس

---

[۱]—لیکن اگر دیوان ولی کی دہلی میں اشاعت کا سال سنہ ۱۷۲۲ع ہے تو تقریباً تیئیس برس کی عمر میں حاتم کی شاعری کا آغاز تسلیم کرنا پڑے گا - تاریخ ادب اُردو، سکسینہ صفحہ ۱۰۲، (ادارہ) -

وقت کی زبان، طرز ادا، بندش اور انوکھی ترکیبوں کا آئینہ ہیں اس لیے اِس نادر مجموعے میں اُن کا شامل نہ کرنا بڑی فرو گزاشت ہوگی، اِسی لیے ہم اُن کو مکرر نقل کرتے ہیں -

بارہ صدی اول

تو کھول چشم دل اور دیکھ قدرت کرتار
کہ جن نے ارض و سما اور کیا ہے لیل و نہار

نوا کے سیس لگا رکھ سدا تو ہر کے دوار
کہ دور بارہ صدی کا ہے سخت ناهنجار
جہاں کے باغ میں یکساں ہے اب خزاں و بہار

شہوں کے بیچ عدالت کی کچھ نشانی نہیں
امیروں بیچ سپاہی کی قدردانی نہیں

بزرگوں بیچ کہیں بوے میہمانی (؟) نہیں
تواضع کھانے کی ڈھونڈھو، سو جگ میں پانی نہیں
گویا جہان سے جاتا رہا سخاوت و پیار

یہاں کے قاضی و مفتی ہوئے ہیں رشوت خور
یہاں کے اہل کار ہوئے ہیں گے (؟) دیکھیو سب چور

یہاں کرم سے نہیں دیکھتے ہیں اور کی اور
یہاں سبھوں نے بھلایا ہے دل سے موت اور گور
یہاں نہیں ہے مدارا بغیر دار و مدار

رذالے آج نشے بیچ زر کے ماتے ہیں
پہن لباس زری ہم کو سج دکھاتے ہیں

مسی پہ پان چبا سرخرو کہاتے ہیں
کہیں ستار کہیں ڈھولکی بجاتے ہیں
غرور غفلت و خوبی کے مد میں ہیں سرشار

رنگیلا سب ستی رنگریز کو بن آتا ہے
تو دھوبی اور کے کپڑوں کی سج دکھاتا ہے
چمار چھوڑ کے چرم چرم بد کماتا ہے
سقے کا مفت میں بھشتی کھو کھاتا ہے
.... اب گرم ہو گیا بازار

ہے گرم آج شجاعت میں نان پز کی دکان
کباب و قیمہ کرے ہے نجیب کو ہر آن
شمع فروش کی ہے چرب سب کے اُوپر شان
ہے مثل باغ کے سر سبز کونجڑے کی دکان
جھنور کا بحر میں مچھّی کا کھیلتا ہے شکار

نظر میں آتے ہیں پُر کیسے آج نائی کے
اکڑتے پھرتے ہیں پی پی کے دودھ دائی کے
کمینے بھول گئے دن دیا جلائی کے
ہوئے ہیں فربہ، دِکھو گوشت کھا، قصائی کے
زنانے مردی پکڑ کھینچنے لگے تلوار

پھریں ہیں چکنے جہاں بیچ آج تیلی کے
ملیں ہیں تیل سدا بیلے اور چمیلی کے
ہوئے ہیں صاحب مال و زر و حویلی کے
رکھیں ہیں شوق سدا دل کے بیچ سیلی کے
گئے ہیں بھول غذائے قدیم ماش و جوار

شگفتہ لب ہے ہر اک آن پھول والے کا
لُہار زور دکھاتا ہے اپنے تالے کا

یہ دھندیا بھول گیا دل سے نرخ گالے کا
یہاں دماغ فلک پر ہے اب رذالے کا
جولاہہ چھوڑ کے بانے ' ہوا عسس کا یار

نہ کر تو جھانجھ، کہ نقارچی کی نوبت ہے
مصاحبت کی اگر جلد اُس کو خدمت ہے
کمینہ قوم کو ہر اک مکاں پہ عزت ہے
تو کیا ہوا کہ رذالے کی زر سٹی پت ہے
ہے افتخار نجیبوں کا فخر و عزت و عار (؟)

کرے ہے چرخ اگر تجھ اُپر جفا حاتم
تو سفلے پاس نہ کر جاکے التجا حاتم
ترے ہے رزق کا ضامن سدا خدا حاتم
تو انتخاب (؟) زمانہ کا غم نہ کہا حاتم
کہ تجھ کو رزق بہت اور روزگار ہزار

بارہ صدی دوم

صبح کے وقت جو امرا قلعہ میں آتے ہیں
بنی ہے جن کی وے کیا کیا سجیں دکھاتے ہیں
جو کشمکش میں ہیں وے پیچ و تاب کھاتے ہیں
کتے خراب ہیں اور کتے زر کماتے ہیں
غرض خدا بھی یہی قدرتیں دکھاتے ہیں

عجب یہ دور ہے شرفا کا کچھ نہیں رزگار
بہت نجیب قسم زندگی سے ہیں بیزار

ہزاروں عمدے پڑے پھرتے ہیں خدائی خوار
کہو تو کس طرح ہووے سپہ گری کا وقار
بہادر ہائے غضب ہیجڑے کہاتے ہیں

خراب قاقوں میں ہیں بیٹھے ہفت ہزاری کے
چھپا کے بیچیں ہیں جالی لگے کناری کے
پلاو کس کو ہے، محتاج ہیں نہاری کے
ہمیشہ گالی دِتے لوگ ہیں سواری کے
سپاہ کیا کرے بھوکوں سے بلبلاتے ہیں

جو خانہ زاد تھے وہ منصبوں سے کرتے ہیں راج
غنیم اُلٹے، دِکھو، بادشہ سے لیں ہیں خراج
نکل کے فرقوں سے ملاگری کے ہیں محتاج
پر اِس غضب پہ بھی ہے نوربائی جی کا رواج
زنانے محل میں کچھ مردیاں دکھاتے ہیں

رسالے نقدی کی بالکل طلب سے رو بیٹھے
بہت امیر جگیروں سے ہاتھ دھو بیٹھے
غنیم چاروں طرف صوبہ دار ہو بیٹھے
جہاں پناہ سَتی ملک کو ڈبو بیٹھے
ولیک دور سے تو بھی دھمک دکھاتے ہیں

اجارہ داموں کے کر ریزہ عمدگوں کے وکیل
دوّآنِی بھیک سی دیتے ہیں بھوکے سر کے کفیل
جنھوں سے ڈرتے تھے، اُن کو کیا خدا نے ذلیل
جو دانے مانگتے تھے، وے ہوئے ہیں صاحب فیل
اضافہ ہونے کے گھر دعوتیں پر اٹھے ہیں

مزے سے رہتے ہیں کہا مصلحوں کے بچگانے
جڑاؤ پہنچیاں، کانوں کے بیچ دُر دانے
ہوئے گلوندے سے، کہا کہا انار بے دانے
ہر روز باجیں ہیں .... کے شدیانے
دو بار دن کے تئیں، اُبٹنا ملاتے ہیں

بہت سے عمدوں کے بیٹے بھی مسّیاں مل مل
گئے ہیں وے بھی زنانوں کی صحبتوں میں مل
ہوئے ہیں پاجیوں میں اِس طرح سے گِل در گِل
نہیں پھرے ہے جو پھیرا ہے ہم نے اُن کا دل
غضب تو یہ ہے کہ واتوں کو خرچی جاتے ہیں

ہمارے دیکھتے ہی کچھ زمانہ اور آیا
دلوں سے مہر گئی، اب جفاء و جور آیا
تعجب کیا کریں، دنیا کا اور طور آیا
کمینے پھیل گئے، پاجیوں کا دور آیا
گلی و کوچوں میں بن کے سجیں دکھاتے ہیں

ہر ایک کوچے میں ڈوموں کے گڑ گئے جھنڈے
بڑ سے بن گئے ہندو سیانے دڑھ منڈے
گرم مزاج ہوئے کہا کے مرغی کے انڈے
اُنہوں سے ڈرنے لگے اب تو چوک کے غنڈے
بنا کے چوہوں کو چو ونگ، جی جلاتے ہیں

لگا رباب کا شہتیر، ڈھولکی کا در
بنا کے گل کا .... کے اندر

ہے فرش خنجری کی حوض دائرہ کر کر
بٹھا دیواں کئے دھج سے بانی جی کا بر
بہت سے قانون سے اب دستخط کراتے ہیں

پھر کبابوں کے کنٹھے نہاری والوں کے
دو پلغے بن کے سجے اب کے شیرمالوں کے
ترا کے سینخیں بناتے ہیں ڈول بھالوں کے
مزے سے دید اُڑاتے ہیں جانے والوں کے
صبح کو منھ کے اُپر شوروا ملاتے ہیں

لگا کے کھپرے کی نک، کنجڑے کے چلے بن ٹھن
چمکتا سوئے کا طرّہ، کسیرو کی سمرن
بنا کے کدّو کے چوگان، گیند کر بینگن
پھریں ہیں کھیلتے، میدان کر کے گھر آنگن
پھر اُن کے باپ بھی اِس سج پہ صدقے جاتے ہیں

اگن کا پنجرا لیے، چھوڑ کسب رنگریزی
سجیں ہیں سر کے اُپر پھینٹھ، باندھ کگریزی
تماش بینی کو جائیں رزالہ آمیزی
چمکتے بال میں خنداں ہے طور کی تیزی
سلام کرنے کے تئیں، بایاں ہاتھ اٹھاتے ہیں

پتا پٹی کے یہ فرّاش باندھ کندے دار
پھر تویزوں کے تاگے ملے بجائے ازار
طناب باندھ، مگر چاندنی کی دیکھیں بہار
بنا کے چھلّوں کے چورنگ پھیکتے تلوار
گھوڑوں کے دامنوں پر، اسپکاں لگاتے ہیں

ب تو سناروں کی بھی مڑرر میں چل
پکڑ سنداسی میں پگڑی......اپنی دیتے بل

پھر نہانی کے بازو، ھتوڑوں کی ھیکل
سہا ھے .... ہوا کرنے پر نہیں کچھ دل

بہت سے گاھک اُسے دیکھ جھنجلاتے ھیں

دُھنے کے مست ہوئے چھوڑ کر روئی گالے
چڑھا کے تانت کمانوں پہ، ھو کے متوالے

کٹار موٹھے کی، پونیوں کے کر بھالے
پھریں ھیں رنڈیوں کے الوبھی کودتے نالے

پھڑکتے جاموں میں پھولے نہیں سماتے ھیں

پلاں پیٹی لگا، ساربان کے، پھرے نکیل
کریں ھیں مالی بھی، باغی ھوا ھے گویا بیل

جو پھلو بولتے، بوتے چلیں دھکیل دھکیل
چمن میں بیٹھ کے مَلنے لگے چمیلی تیل

پھر کے ھار سنگار اپنی سج دکھاتے ھیں

خراد گر کے دو بازو خرادی کا بنکے
پھرے ھے نونچتا بازار بیچ جوں بنکے

چکتے سا پھرتا ھے ھے باز [۱] ان کے
لگا کے بند کمانوں کو ھوگئے جن کے

سریش لیکے دونوں دنڈ پر جماتے ھیں

یہ دھوبی بچے بھی کر جامہ کو کلپ کُندی
منڈا کے داڑھیاں، موچھوں کو کر کے پیوندی

---

[۱]—مصرع پورا نہیں ھے، (ادارہ) -

بجا کے سیٹی بُلاتے ہیں چوک کی خندی
پھریں ہیں کرتے بہم بات گھات میں رندی
ہمیشہ دیہی کو، صابن لگا دھلاتے ہیں

پطانا کونڈے کا دے نادھم پھینتھا بانکی وجہ
ازار گھونکے کی، کھپریل کا پھر چلتہ
لٹکتا چاک بھی بائیں طرف سپر کی طرح
کمہار کرتے پھریں ہر کسی سے بانکی طرح
صبح کو چھال کے سبزی کھڑے لنڈھاتے ہیں

نہانی رند ہوئے ہیں، بڑھئی کے بازاری
چلیں ہیں مرزئی سی دھوپ تیکتے آری
کریں ہیں بولنے میں بند ادمی کلکاری
تلاش کرتے پھریں سب ہیں خدمتیں بھاری
بہت تو تخت مثبّت کی چوکی جاتے ہیں

چباویں ریوڑیاں، تیل بیچ، کولھو کھو
پھریں ہیں تیلی کے بھی، تیل بیچ چکنے ہو
اکر سے رہتے ہیں دل بیچ خندپن کی بو
ہر ایک میلے میں کہتے پھریں، چلو یے چلو
مزے سے راہ میں خواچے کے دم جلاتے ہیں

پکڑ سنڈاسی میں دیہی کے تئیں بھی آھنگر
وتّبی ڈھال، بنا دیگ پھوتی کا بکتر
نہیں ہے جاموں کا محتاج اب تو قلعی گر
مزاج رنڈیوں سے کرتے پھینک کر کنکر
پُھلا کے کھال کے تئیں، تکیے دو لگاتے ہیں

نظر میں کرتا ہوں بھر بونچے کا لٹک چلنا
بنا کے کونچی کا نیزا............. کوچلنا

چنے سے نوک پہ پرمل کے طرّے کا ہلنا
سپہ گری کے کسب بیچ، رات دن چلنا
ہر اک سے اینٹھے رہیں، جادو کر دکھاتے ہیں

سنگاری نک پہ دھرے موچھوں کے ہودّے
پشوری ہونے لگے سیف خانی سج بلنے

درفش ہاتھ میں، بانکے پھریں ہیں چڑ کنٹے
چوگاں چھوڑ کے، آتے ہیں شعر نو سننے
سپاہی بن کے کئی، نوکری کو جاتے ہیں

مشک کو چھوڑ کرے کام تیر تکّے کا
کسی کو زور دکھاتا پھرے ہے رقّے کا

سواز بول پہ، دَم مارتا ہے حقّے کا
چلے ہے دھج کو بناتا رزالہ سقّے کا
دو چار یار، پچھوں کھلتے گاتے آتے ہیں

لگا کے گھنڈیاں، پھرے انگرکھے طوسی کے
لاہوری بنکے سجے پائنجامے سوسی کے

ہاتھوں میں گھنڈیاں اور سوتے آبنوسی کے
پھریں ہیں اکڑے ہوے، دودھ پی کے گھوسی کے
وے زور بازو کا، بھینسوں سے آزماتے ہیں

اِس میں شک نہیں کہ اب یہ نظمیں ہماری زبان کی شستگی، ہمارے محاورات کی روانی، ہمارے رسوم و رواج، ہماری معاشرتی ترقّی سے ہزاروں کوس دور ہوگئی ہیں اور انتہا یہ ہے کہ اب اِن کو صحیح پڑھنا

اور سمجھنا بھی دشوار ہے - الفاظ نامانوس اور متروک، بندشیں اور ترکیبیں بالکل اجنبی - لیکن پھر بھی غور کیا جائے اور اُن کو سمجھ کر پڑھا جائے تو نہ صرف آپ کو چند الفاظ و محاورات اور طرز بیان کی نوعیت معلوم ہوگی، بلکہ دور محمد شاہی کی شریف گردی اور اراذل پرستی کا صحیح صحیح نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جائے گا - ہمارا اِرادہ تھا کہ اُن الفاظ کے معنی بھی لکھیں جن کی یہاں ضرورت ہے - مگر طول کلام اور تشریح سے اس لیے اجتناب کیا گیا کہ یہاں ہم کو متقدمین کا وہ کلام بجنسہ پیش کر دینا تھا جو نایاب ہے - غرض صرف یہ ہے کہ وہ محفوظ رہے - شاید کسی وقت کوئی شخص مشرّح لکھنے کا فرض ادا کرنے پر بھی آمادہ ہو جائے -

---

حسن

یوں تو حسن تخلص کے متقدمین میں کئی شاعر ملتے ہیں، مگر یہ غزل اُن میں سے کسی کی نہیں معلوم ہوتی، کیونکہ اِس کے مقطع میں جو شاہ آبرو کی طرف اشارہ ہے اور جو صورت ادعا اِس میں ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شاعر شاہ آبرو کا معاصر تھا - زبان بھی پرانی ہے، بندش بھی قریب قریب ویسی ہی ہے جیسی پہلے لوگوں کے یہاں ہوتی تھی - میر تقی میر اور شفیق نے اپنے اپنے تذکروں میں حسن کا نام ضرور لکھا ہے مگر کچھ حال نہیں لکھا - صرف ایک شعر لکھ کر خاموش ہوگئے ہیں - ممکن ہے کہ یہ وہی حسن ہوں - بہر حال بیاض میں یہ غزل اِسی نام سے ملتی ہے -

صبا کہیو اگر جاوے ہے تو، اُس یار دلبر سوں
کہ کر کر قول پرسوں کا، گیا پرسوں، لگے برسوں

عجب یه ابر، اگر جلتوں کو جلنے میں جلاوے گا
گیا ہے یار میرا پرسوں، تو کہتا ہے میں برسوں

تو قاصد وعدہ کرتا ہے کہ پھر آؤں گا پرسوں میں
کبوتر پھر نہیں آیا، گلی اُس کی ستی برسوں

ترس تجھکو نہیں اے شوخ اتنی کیا ہے بے ترسی
ترے دیدار کو میں دیدۂ تر سے کھڑا ترسوں

تری زلف معطّر عطر سے فتنہ ستی تر ہے
الٰہی آبرو رکھیو پڑا ہے کام ابتر سوں

غزل اس طرح کہنے میں، حسن کیا تجھ سے بن آئی
جواب اب آبرو کب کہہ سکے، مضموں پر برسوں

زمانی

باوجود تلاش کسی تذکرے سے اِس تخلص کا پتا نہیں چلا - مگر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ مبارک آبرو وغیرہ کے زمانے کے لوگوں میں ہیں - کیونکہ کلام میں اِس قدر ایہام ہے کہ شاہ مبارک آبرو یا اور ایک آدھ شاعر کے سوا کسی کے یہاں اِتنا اِس گورکھ دھندے سے کام نہیں لیا گیا ہے - اِن کا بہت سا کلام بیاض موجودہ میں موجود ہے - مگر ہم نے چند شعر انتخاب کرلیے ہیں اور وہی نذر ناظرین کیے جاتے ہیں -

لیا یہ گھیر کر زلفاں نے تیرے کان کا موتی
گویا یہ ہند کا لشکر لگا آکر ستارا سے

قبا اور شال دی دلبر نے ہم کو رقیب شوخ کو پٹکا و چیرا

ظلم کرتا ہے کاغذی بچہ سارے عالم کو تاو دیتا ہے

جو بد نین سے دیکھے اُس سرخی نین کو
آنکھوں میں اُن کی لازم ہے کھینچنا سلائی

کٹ گیا، لُٹ گیا، پتنگ کی طرح دل مرا دیکھ تیرے پیچوں کو

محبت میں علی کی رفتہ رفتہ ہوا ہے دل مرا اب حیدرآباد

جان میری تن ستی جاتی رہی دیکھ تیرے ہاتھ میں پھنچی صنم

شرم سے پانی، ہوجاویں سب رقیب گو مرا یوسف ملے آ چاہ سے

قصۂ زلف کیا بیاں کیجے بات میں اُس کی شاخسانے ہیں

یہی کانٹا رہا دل میں ہمارے کبھی مچھی نہ دی دریا کنارے

اے کبوتر جاکے کہہ یوسف کو کنوئیں سے نکل
چاہ سے تیری زلیخا ہو رہی ہے باوری

صورت اُن کی دیکھنے سے کیوں نہ ہو حاصل خدا
راستہ سورت کا جا ملتا ہے بیت اللہ سے

چھوتی چنبی سے دل لگا میرا کیوں نہ دُور دُور کرے ُوے بالی ہے

تلوار مارنے کی ہم داب خوب جانی
رستم بہ ایں شجاعت پہنچے نہ پر تلے کو

فغاں

اشرف علی خاں نام تھا اور فغاں تخلص، دلی کے قدیم باشندے،
شاہ باد شاہ غازی کے کوکے اور شیخ علی قلی ندیم کے شاگرد تھے -
ظریف اور بذلہ سنج تھے - اپنے زمانے کے اساتذہ میں مانے جاتے
سنہ ۱۱۸۶ھ میں انتقال کیا - چونکہ اِن کا مفصل حال سب بڑے
تذکروں میں ملتا ہے - کلام بھی کچھ نہ کچھ تذکروں میں موجو
لہذا ہم اُن تین غزلوں پر اکتفا کرتے ہیں جو کسی تذکرے میں
ملتیں اور صرف اِسی بیاض میں ہیں - غزلوں کے علاوہ دو مخمس
ہیں جو نایاب ہیں -

تو اِن بتوں کا عبث آشنا ہوا ہے دل
یہ طرح کون سی ہے، تجھکو کیا ہوا ہے دل

بھلا صنم کوئی جلتے کو بھی جلاتا ہے
اِسے کباب نہ کرنا، جلا ہوا ہے دل

پھرے ہے لوٹتا ہر ایک نقش پا کے اُپر
کسی کے پانو سے شائد ہلا ہوا ہے دل

خدا کے واسطے مجھ دل جلے فغاں سے نہ مل
نہیں ملے گا، قیامت جدا ہوا ہے دل

تقصیر دل یہ ہے کہ ترا یار ہوگیا
یہ بے گناہ، مفت گنہ گار ہوگیا

آنا ہمارے گھر کا تجھے عار ہوگیا
ایسا ہمارے نام سے بیزار ہو گیا

اب کیا کسی سے کوئی توقع رکھوں فغاں
دلدار تھا مرا، سو دلآزار ہوگیا

ترتا ہوں محبت میں مرا نام نہ ہو وے
دنیا میں الٰہی کوئی بد نام نہ ہو وے

گر صبح کو میں چاک گریباں کو دیکھوں
اے زندہ دلاں، حشر تلک شام نہ ہو وے

آتا ہے مری گور پہ ہمراہ رقیباں
یعنی مجھے تربت میں بھی آرام نہ ہو وے

شمشیر کوئی تیز سی لینا، مرے قاتل
ایسی نہ لگانا کہ مرا کام نہ ہو وے

جی دیتا ہے بوسے کی توقع پہ فغاں تو
تک دیکھیو، سودا یہ ترا خام نہ ہو وے

مخمس

اُس بےوفا کا شکوۂ جور و جفا لکھوں   یا اِس دلِ فگار کا میں مدعا لکھوں
یا جل گئے جگر سے کی شعلہ اٹھا لکھوں   یا چشم اشکبار سے دریا بہا لکھوں
قاصد نہیں ہے تاب مجھے آہ کیا لکھوں

لے کر قلم کو ہاتھ میں، گر میں شکستہ جاں   چاہوں کہ اپنے درد جگر کا لکھوں بیاں
گرتی ہے کلک ہاتھ سے، ازبس ہوں ناتواں   لکھ لکھ، ہر ایک وقت، نہ کہہ تو، خدا کو ماں
قاصد نہیں ہے تاب مجھے آہ کیا لکھوں

لاچار ہوں میں فکر کیا ہے اے نامہ بر   لازم ہے تجھ کو حال سنانا مرا اگر
دیجیو یہ میرے لخت جگر کو بہ چشم تر   کہیو یہی ہے تیرے گرفتار کی خبر
قاصد نہیں ہے تاب مجھے آہ کیا لکھوں

دل اب کہے ہے مجھ کو، کہ جینے کی تاب نہیں   سینہ کہے ہے، داغ کا اِس جا حساب نہیں

آنکھیں کہیں ہیں، رونے کو اب ہم میں آب نہیں   دل اور زباں کو طاقت حرف جواب نہیں

قاصد نہیں ہے تاب مجھے آہ کیا لکھوں

لیکن یہ کچھ، نہ چھپو مجھ دل مجذوب سی

رونے کو میرے جاکے تو، یعقوب سیتی پوچھ

جو صبر میں کیا ہے، سو ایوب سیتی پوچھ

کہتا ہوں اس طرح، کسی اسلوب سیتی پوچھ

قاصد نہیں ہے تاب مجھے آہ کیا لکھوں

کاغذ تو جل کے، آتش ہجراں سے خاک ہے   سینہ قلم کا یہ، مرے مطلب سے چاک ہے

رونے کا میرے شور، سمک تا سماک ہے   کہنا اتا زباں سے فغاں دردناک ہے

قاصد نہیں ہے تاب مجھے آہ کیا لکھوں

مخمس دیگر

گلشن میں جب ادا ستی اُس کا گزار ہو   اور تنگ بر میں اُس کی قبا بوتے دار ہو

عاشق کا دل بھی دیکھ، نپٹ بے قرار ہو   اُس دم گلے میں اُس کے پڑا ایک ہار ہو

جب دیکھیے بہار تو کیسی بہار ہو

سبزے کی بھی بہار ہو، گل ہر طرف کھلے   روٹھا کہیں سے باغ میں وہ شوخ آملے

اور ہاتھ میرا جبکہ پڑا اُس کے ہو گلے   ....

جب دیکھیے بہار تو کیسی بہار ہو

جاتے ہوں ہم اُدھر سے، نہ ہوویں کسی کے سنگ* تنہا اُدھر سے یار بھی آتا ہو بے درنگ

اور اُس کو ہو حجاب سے ملنے کا عار و ننگ* اُس وقت ہم بھی، یار بھی، کوچہ بھی ہوئے تنگ

جب دیکھیے بہار تو کیسی بہار ہو

ہو سخت چیں ابرو، اور مکھ کو موڑ دے   جب بات کہوں اُس سے تو ماتھا سکوڑ دے

ڈرتا ہوں میرے رشتۂ الفت کو توڑ دے   گر پکڑوں اُس کا ہاتھ، کہے مجھ کو چھوڑ دے

جب دیکھیے بہار تو کیسی بہار ہو

مجزوں

نام عالم شاہ ' امروہے کے رہنے والے ' پیر زادے اور اپنے وقت کے اُستاد تھے - بہت سے لوگوں کو اصلاح دیتے تھے - حکیم قدرت‌اللہ قاسم نے اِن کے دو شعر نقل کیے ہیں - مصحفی نے لکھا ہے کہ جب میں پڑھتا تھا اُس وقت اُن سے ملنے گیا تھا - یہ مرثیے اور سلام بھی کہتے تھے اور نواح امروہہ میں مشہور تھے - اِس کے بعد اُن کے تین شعر نقل کیے ہیں - مصحفی کی پیدائش سنہ ۱۱۴۱ھ سے سنہ ۱۱۵۶ھ تک ہو سکتی ہے [۱] اُس کے بعد پندرہ سولہ برس کا سن ہوگا جب وہ مجزوں سے ملنے گئے ہونگے ' اِس سے معلوم ہوا کہ مجزوں سنہ ۷۴-۱۱۷۵ھ میں زندہ تھے - اُس وقت جو کچھ بھی عمر ہو ' مگر شاہ حاتم وغیرہ کے دور میں اُن کا شمار ہو سکتا ہے - بیاض موجودہ میں صرف ایک شعر اُن کا ملتا ہے جو کسی تذکرے میں نہیں -

میرے قبضے سے نکل کر یوں بگانا ہوگیا　　کس‌کمان‌ابرو کا یارب' دل‌نشانا ہوگیا

منصور

اِن کا اصلی نام میر منصور تھا ' سنہ ۱۱۷۵ھ میں بڈھے تھے یا سن کہولت کا زمانہ گزار رہے تھے ' کیونکہ تذکرۂ چمنستان شعراء مولفۂ لچھمی نرائن شفیق میں جو اِسی سنہ میں مرتب ہوا [۲] ' لکھا ہے کہ پہلے اسیر کی قلعداری پر مامور تھے ' اب ترک دنیا کر کے لباس فقیری [۳] اختیار

---

[۱]—اگر مصحفی کا سال ولادت سنہ ۱۱۶۴ھ ہو تب بھی سنہ ۷۴-۱۱۷۵ھ میں مجزوں کا زندہ ہونا ثابت ہوتا ہے ' گو مصحفی کا سن اُس وقت کچھ کم ہو جائے گا ' (ادارہ) -

[۲]—مقدمۂ چمنستان شعراء ' ص ۱۶ ' مطبع انجمن ترقی اُردو ' کتاب کا نام تاریخی ہے ' (ادارہ) -

[۳]—ایضاً ' ص ۳۰۵ ' بتصرف ' (ادارہ) -

گیا ہے - اِسی سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ ترک دنیا اور فقیری ، وہ بھی ملازمت کے بعد یا تو بڑھاپے کے زمانے میں ہو سکتی ہے یا کم از کم آخر زمانہ سن کہولت کا ہوگا - اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ ولی کے زمانے میں یہ جوان ہوں گے اور اُن کے معاصر کہے جانے کے مستحق ہیں - اِن کی ایک آدھ غزل مجموعۂ چمن بےنظیر میں بھی ملتی ہے - مگر دوسرے تذکروں میں اِن کا ذکر نہیں ملتا - ایک غزل اِس بیاض میں بھی موجود ہے جو نقل کی جاتی ہے -

ہے یہ دل عشق کا بیمار خدا خیر کرے کیا برا اِس کو ہے آزار خدا خیر کرے

بے عمل دیکھیو دیتا ہے سبھوں کو گالی آج کیفی ہے نپٹ یار خدا خیر کرے

آشیانے کی شتابی سے خبر لے بلبل بےطرح پھولا ہے گلزار خدا خیر کرے

یار نے دیکھ مجھے رو کے لبوں سے یہ کہا ہے یہ علّت میں گرفتار خدا خیر کرے

بےطرح مجھ کو ستاتا ہے دل اب اے منصور
کیا کروں جس کی میں تکرار خدا خیر کرے

نثار

محمد امان نام تھا [۱] سعادت اللہ معمار کے بیٹے اور خود بھی فن تعمیر میں کامل اُستاد تھے - اپنے وقت کے مشّاق سخن گو حاتم کے شاگرد اور میر و مرزا کے مؤقر معاصر تھے - دهلی وطن قدیم تھا ، مگر اوسط عمر میں پورب چلے آئے تھے اور لکھنؤ میں قیام تھا - راجہ ٹکیت رائے کے یہاں کار و بار تعمیر اُن سے متعلق تھا - بڑی عزت و حرمت سے بسر

---

[۱]—میاں امان اللہ معمار المتخلص بہ نثار ساکن شاھجہان آباد کا ذکر میر حسن کے تذکرۃ الشعراء ص ۲۰۴ میں آیا ہے ، اس لیے " محمد امان " غور طلب ہے ، یہ نام اگرچہ تذکرۂ قدرت میں ہے ، لیکن میر حسن کا لکھا ہوا نام زیادہ قرین قیاس ہے - (ادارہ) -

کرتے تھے - مہر کے اژدر نامے کے جواب میں ایک غزل کہہ کر اُسی مشاعرے میں پڑھی تھی جس کا مقطع یہ ہے :

حیدر کرّار نے وہ زور بخشا ہے نثار
ایک دم میں دو کروں اژدر کے کلّے چیر کے

چونکہ بڑے پرگو تھے ایک ضخیم دیوان جمع ہوگیا تھا - اب نایاب ہے ، تھوڑا سا انتخاب مشترک تذکروں میں پایا جاتا ہے اور یا مولانا حسرت موہانی نے قریب ایک جز کے انتخاب کلام شائع کیا ہے - ہم بیاض موجودہ سے ایک غزل لکھتے ہیں - اُس میں کے دو شعر انتخاب حسرت میں موجود ہیں ، باقی کوئی شعر کہیں بھی نہیں ہے -

بولتے ہم سے نہیں ، رات چلی جاتی ہے
پھر شرارت کہ وہی بات چلی جاتی ہے

سرد مہری نہ کرو آؤ پلنگ پر پیارے
تنگ بغل گرم کرو رات چلی جاتی ہے

شرم سے منھ کو دوپٹے میں چھپا لیتے ہو
ہم سے اِس طرح ملاقات چلی جاتی ہے

لخت دل اشک کے ہمراہ نکلتے ہیں تو جان
تیرے بھی غم کی مدارات چلی جاتی ہے

گریۂ و نالۂ و فریاد و فغاں ہی کرتے
اپنی اِس شغل میں اوقات چلی جاتی ہے

یہ بڑا عیب ہے تم میں کہ بھری مجلس میں
ہر کسی ساتھ اشارات چلی جاتی ہے

ہم کہیں ، تم ہو کہیں ، شیشہ کہیں ، جام کہیں
ساقیا اب یوں ہی برسات چلی جاتی ہے

اِس طرف بھی تو کبھی برق صفت آ جھمکو
مفت جھڑ بدلی یہ ہیہات چلی جاتی ہے
ہر گھڑی تجھ کو نہیں جھڑکی و دشنام نثار
یار ہے اُس کی عنایات چلی جاتی ہے

طبقۂ سوم

اِس دور سے میری مراد اُن شعراے کرام سے ہے جو مہر و مرزا کے معاصر ہیں - چونکہ یہ تعیّن بہت ہی دشوار تھا کہ صرف اُنھیں لوگوں کو لیا جائے جو اِن دونوں باکمالوں کے حقیقی مدّ مقابل یا ہم بزم تھے، اس لیے به مجبوری اُن سب لوگوں کو لے لیا گیا جو یا اُن کے مطارحوں اور مشاعروں میں شریک ہوئے، یا جن کا زمانہ اور سن اِن دونوں سے زیادہ تھا اور وہ اِن کے سامنے عالم فانی کو خیرباد کہہ گئے - مگر اِنھوں نے اُن کو دیکھا اور پایا - تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو اِن کے معاصر تو نہیں کہے جا سکتے مگر اِن کے دیکھنے والوں، اِن کے شاگردوں، اِن کے کلام سننے والوں، اِن کے ادب کرنے والوں، اِن کے چھوٹوں میں ضرور تھے -

اِن سب لوگوں کو بھی حروف تہجی کے لحاظ سے پیش کیا گیا ہے جن کی ترتیب حسب ذیل ہے :

(۱) آشفتہ (۲) بیخواب (۳) بیخود (۴) بیہوش (۵) پاکباز (۶) پروانہ (۷) تاباں (۸) جعفر (۹) حسرت (۱۰) حشمت (۱۱) خلیق (۱۲) راجہ رام نرائن (۱۳) رضا (۱۴) سودا (۱۵) سیف (۱۶) شوق (۱۷) عاشق (۱۸) فدوی (۱۹) فیض (۲۰) قدر (۲۱) قرین (۲۲) مرزا جیو (۲۳) مقتول (۲۴) مہر (۲۵) نقی (۲۶) واحد (۲۷) واقف (۲۸) یار -

آشفتہ

یعنی حکیم مرزا ضیا قلی[۱] خلف حکیم محمد شفیع اکبرآبادی ثم اللّکھنوی - آپ اکبرآباد میں پیدا ہوئے، تعلیم و تربیت وہیں حاصل کی، اور زمانۂ شباب میں لکھنؤ چلے آئے - مفصل حال تذکرۂ خمخانۂ جاوید، تذکرۂ مصحفی، تذکرۂ حکیم قاسم میں درج ہے - ہم کو صرف اتنا لکھنے کی ضرورت ہے کہ آپ بذات خود نہایت قابل اور فاضل طبیب تھے، میر سوز کے شاگرد تھے؛ اپنے مکان پر مشاعرہ بھی کرتے تھے - اپنے زمانے کے بہترین شاعر تھے - غزل پڑھنے کا انداز بھی بہت اچھا تھا - سنہ ۱۲۱۵ھ تک کلکتے میں [۲] بقید حیات تھے - تذکرۂ قاسم میں (۷) تذکرۂ مصحفی میں (۱۲) اور تذکرۂ خمخانہ میں (۱۰) شعر ان کے ملتے ہیں - لیکن اکثر شعر باہم مشترک ہیں - ہم بیاض قدیم سے ایک نئی غزل پیش کرتے ہیں جس کا ایک شعر بھی کسی تذکرے میں نہیں - غزل میں بالکل میر سوز کا انداز نمایاں ہے، وہی زبان کی صفائی، وہی درد، وہی سوز، وہی رنگ - ملاحظہ ہو،

منھ کہاں یہ جو کہیں آئیے اور سو رہیے
خوب اگر نیند ہے تو آئیے اور سو رہیے

تکیہ زانو کا مرے کیجیے بےخوف و خطر
آپ تشریف اِدھر لائیے اور سو رہیے

غم ہوا تھا مری باتوں کا تمھیں کس کس دن
بس مرے منھ کو نہ کھلوائیے اور سو رہیے

گر رہیں ہم بھی کسی جاے پہ اب جائیں کہاں
آپ اتنا ہمیں فرمائیے اور سو رہیے

---

[۱]—آشفتہ کا نام تذکرۂ قدرت (ص ۳۴، ج ۱) میں مرزا رضا قلی بیگ اور گلشن ہند، لطف میں (ص ۵۰) حکیم رضا قلی خاں ہے - (ادارہ) -

[۲]—گلشن ہند، لطف ص ۵۲، مطبوعۂ لاہور، سنہ ۱۹۰۶ء - (ادارہ) -

آج کی چاندنی وہ ہے کہ کسی شوخ کے ساتھ
کھول آغوش لپٹ جائیے اور سو رہیے

اِس ادا کا میں دوانہ ہوں کہ انگڑائی لے
مجھ سے کہتے ہیں کہیں جائیے اور سو رہیے

نیند یہ فکر سے آشفتہ اُڑی ہے میری
جی میں آتا ہے کہ کچھ کھائیے اور سو رہیے

بیخواب

تذکرۂ نساخ اور تذکرۂ بزم سخن میں اِن کا ذکر کیا گیا ہے - اور ایک شعر بھی اِن کے نام کے ساتھ نقل ہوا ہے - مگر نام اور دیگر حالات سے دونوں مؤلفوں نے لاعلمی ظاہر کی ہے - دوسرے تذکروں میں نہ نام ملتا ہے نہ تخلص، نہ کلام - بہرحال تخلص پر اکتفا کرکے بیاض سے ایک غزل نقل کی جاتی ہے - انداز کلام سے مصحفی وغیرہ کے معاصر معلوم ہوتے ہیں -

اب کس طرح سے دل میں ترے راہ کیجیے
طاقت نہیں رہی ہے جو اک آہ کیجیے

بندوں پہ اپنے رحم نہیں کرتے اک ذرا
کیا اِن بتوں کے ہاتھ سے اللہ کیجیے

اتنا پھرا ہے یارو، بتوں سے ہمارا دل
یوسف ہو تو بھی اُس کی نہ اب چاہ کیجیے

حاضر ہیں ہم تو، قتل کرو خواہ بخش دو
جو کچھ ہو جان، آپ کے دل خواہ کیجیے

جاتی ہے جان اب تو ذرا آ کے ہم سے مل
کہہ، کب تلک یہ نالۂ جانکاہ کیجیے

جاتا ہے تو تو، کس کو ترے ساتھ بھیجیں ہم
یہ لخت دل مگر ترے ہمراہ کیجئے
بیخواب کس لیے نہیں سوتے ہو آج تم
ہم کو بھی اپنے حال سے آگاہ کیجئے

بیخود

نام نرائن داس تھا - متصدی گری پر مامور تھے - شاہجہاں آباد کے بڑے مہاجنوں میں تھے - ہدایت‌اللہ خاں ہدایت المتوفی سنہ ۱۲۱۵ھ اور حکیم ثناءاللہ خاں فراق کو اپنا کلام دکھاتے تھے - اور کبھی حضرت خواجہ میر درد رحمۃاللہ کی خدمت میں حاضر ہوکر استفادہ کرتے تھے - تذکرۂ حکیم قدرت‌اللہ قاسم گواہی دیتا ہے کہ نہایت پُرگو اور مشّاق تھے - چنانچہ حکیم صاحب مذکور لکھتے ہیں کہ "حاصل کہ ایں جوانِ صاحب زباں سخن‌دانِ خنداں شیریں زبان عذب‌البیاں سیرمشق و مربوط است ایں شعر بہت ازوے است" حکیم صاحب نے چھ شعر نقل کیے ہیں - جن میں سے ایک شعر، نساخ، شیفتہ، اور خمخانۂ جاوید میں نقل ہوا ہے اور بس - ہم کو اِن کا ایک پورا مخمس واسوخت کے انداز کا ملا جس میں چودہ شعر ہیں، اور یہ کسی تذکرے میں نہیں - ملاحظہ ہو -

کیجیے شوق سے جو، جی میں جفا آئی ہے
تجھ‌کو نت اُٹھ کے مرے ساتھ یہ مچلائی ہے
اس لیے جاں، مرے ملنے کی قسم کھائی ہے
بن ترے گو کہ مری جان بہ لب آئی ہے
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے
جی نکل جائے تو اےجان نکل جانے دوں
پر ترے نام کو پہلو سے بھی زنہار نہ دوں

اِس میں گو کوئی کہے کچھ، میں کسی سے نہ سنوں
خواہ یہ حق میں مرے خوب ہو یا آنکہ زبوں
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے
یہ تو جانوں ہوں کہ جی جاوے گا لے بیٹھ میاں
چھوڑیے تجھکو تو چھوٹے گی مقرّر یہ جاں
جان جانا ہو کہ سودا مجھے یا ہوں حیراں
جو کچھ اب ہوئے سو لبیک، میاں صاحب ہاں
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے
ناصحا اتنی بھی ہر روز نصیحت کس کام
تک تو خاموش ہو، دے منہ کے تئیں اپنے لگام
کیوں مجھے عاشقوں کے بیچ تو رکھتا ہے نام
کہہ چکا تجھ سے تو میں، جاکے تو اپنا کر کام
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے
تجھکو کیا، جو کہ میں روتا ہوں بھلا، زار نزار
دل مرا، چشم مری، اور مری جیب و کنار
بارہا رو کے کہا تجھ سے میں اے یار پکار
جی نکل جائے تو، یا یاس مجھے ہو زنہار
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے
ایک دن ہوئے تو سہہ جائے کسی کا نخرا
روز کس کے تئیں برداشت ہوگا لیکی(؟) بھلا
ایک بوسہ بھی کبھی ہمکو خوشی سے نہ دیا
اب اگر پانو پڑے آن کے میرے بخدا
نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

سن کے بیخود سے لگا کہنے وہ کافر بد خو

چپکے ہی ہو رہو ، بس زیادہ نہ ہم سے بولو

بارہا دیکھ لیا ، دَم ہمیں تم دیتے ہو

یہ بھی شیخی ہے کوئی روز کی ، جو کہتے ہو

نہ ملوں پر نہ ملوں اب تو یہ ٹھہرائی ہے

بیہوش

مؤلف خمخانۂ جاوید نے لکھا ہے کہ ایک قدیم سخنور کا تخلص ہے ، جن کا نام معلوم نہ ہوسکا - قلمی مسودات محررۂ سنہ ۱۱۹۸ھ میں اِن کی چند غزلیں ملیں ، اُن میں سے چند شعر منتخب ہوکر درج ہوئے -

یہ لکھ کر اُنہوں نے چھے شعر درج کیے ہیں - جن کی زبان اِتنی پرانی نہیں معلوم ہوتی کہ اُسے سنہ ۱۱۹۸ھ سے منسوب کیا جائے - بہر حال میرے پاس ایک مثنوی قلمی اُنہیں کی موجود ہے ، اگرچہ سوائے تخلص کے نام کا اِس سے بھی پتا نہیں چلتا ، مگر یہ یقین ہو جاتا ہے کہ یہ زبان گیارھویں [۱] صدی ہجری کے وسط یا آخر کی ہے -

اِس مثنوی کا نام (بولتا) ہے اور بولتا قدیم زبان میں روح کو کہتے تھے اور بعض بعض جگہ اب بھی بولتے ہیں - اِس میں روح کے اسرار کو نہایت صفائی سے بیان کیا گیا ہے ، چنانچہ ذیل میں چند شعر اول مثنوی سے درج کرتا ہوں -

بشنوید اے رہروان زاہداں ‏ ‏ بولتا ہوں بولتے کی داستاں

بولتے کی راہ پر ہو مستقیم ‏ ‏ بول بسم اللہ الرحمن الرحیم

بولتا ہے مدّ بسم اللہ میں ‏ ‏ بولتا ہے قل کفیٰ باللہ میں ، [۲]

---

[۱]—بارھویں ؟ (ادارہ) - [۲]—ترجمہ :—خدا کافی ہے ، (ادارہ) -

یار تو اِس بولتے کو سمجھ جان
ہے نفخت فیہ من روحی کی شان [۱]

بولتا ہے کنت کنزاً مخفیا [۲]
جسنے سب خلقت کے تئیں پیدا کیا

ہوگا جب اِس بولتے کا یار تو
لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا [۳]

بولتے کو بولتا دیتا ہے قوت
بولتے کا نام حیّ لا یموت [۴]

بولتا بیچون ہے اور بے چگوں
بولتا بے شبہ ' بے شک ' بے نموں

اول اور آخر وہی ہے بولتا
ظاہر اور باطن وہي ہے بولتا

بولتا علم الیقیں ' عین الیقیں
حق بحق ہے بولتا حق الیقیں

بولتا آغاز اور انجام ہے
حضرت آدم بولتے کا نام ہے

اور یہ ہے اک لطیفہ بولتا
اور زمیں کا ہے خلیفہ بولتا

بولتے آئے ہیں سب اہل کمال
بولتا ہے خاص ذات ذوالجلال

بولتا ہی مخزن اسرار ہے
بولتا ہي معدن انوار ہے

پاکباز

میر صلاح الدین نام - مکھن میاں عرف ؛ سید شاہ کمال کے بیٹے اور شاہ جلال قدس سرہ کے پوتے تھے - دھلی کے قدیم باشندے تھے - گوشہ نشینی اور اوراد و وظائف میں زندگی بسر کرتے تھے - اِسي واسطے لوگوں سے ملنے جلنے کا موقع کم ملتا تھا - کبھی کبھی میر تقی میر کے یہاں مشاعرے میں آیا کرتے تھے - مصطفیٰ خاں یکرنگ کے شاگرد تھے - میر صاحب کو اُن کے صرف دو شعر ملے ہیں -

---

[۱]—میں نے اُس میں اپنی روح پھونکی ' (ادارہ) -

[۲]—میں چھپا ہوا خزانہ تھا ' (ادارہ) -

[۳]—تم نیکی کو نہیں پاسکتے جب تک خرچ نکرو ' (ادارہ) -

[۴]—ایسا زندہ جو کبھي نہ مرے ' (ادارہ) -

جلوے تمہارے حسن کے نت ہیں پہ ہم کہاں
تم تو سجن ہمیشہ ہو افسوس ہم نہیں

مجھے درد و الم رہتا ہے نت گھیرے میاں صاحب
خبر لیتے نہیں کیسے ہو تم، میرے میاں صاحب

قائم، مولانا محمد حسین آزاد، قدرت اللہ قاسم، نساخ کو صرف شعر نمبر ۲ مل سکا - لالہ سریرام، ایم - اے، نے اپنے تذکرے خمخانے میں دو شعر اِن دو شعروں کے علاوہ بھی لکھے ہیں - اِن کی ایک غزل پانچ شعر کی ہم موجودہ بیاض سے پیش کرتے ہیں، جس کا کوئی شعر کسی تذکرے میں نہیں ہے- معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی مشاعرے کی غزل ہے، کیونکہ اِسی طرح میں شاہ مبارک آبرو کی غزل بھی آب حیات میں درج ہے -

اگر ہم جانتے ہم سے جدا ہوگا وہ کر پیتا
قسم حضرت حسن کی، زہر ہی کا جام بھر پیتا

کسو ہندو مسلماں پرستم ایسا نہ ہو یارب
جدائی سوں جو کچھ اُس بیوفا کی مجھ اُپر بیتا

کوئی معشوق کب عاشق پہ اِتنا رحم کرتا ہے
کڑھے تم میرے مرنے سے، خدا تمکو رکھے جیتا

ہمارے ساتھ کب وہ عاشقی میں بلہوس ٹھہرے
یہ دل گردا کہاں اُس کا جو یہ خونِ جگر پیتا

مجھے کہتے ہیں سب مرداں کہ ہے وہ پاکباز اُس بن
کہ جس کا جی نکل جاتا ہے سو رہتا ہے کب جیتا

تذکرۂ چمنستان شوق میں بھی چار شعر موجود ہیں، جن میں سے دو وہی ہیں جو مختلف تذکروں میں ہیں، اور دو بہترین نئے شعر ہیں-

جو اَب نہ مریے تو پھر انتظار میں مریے
خدا خـزاں نہ دکھاوے بہار میں مریے
تـمام عـمر شـرابیں پیا کیے سـاقی
هـزار حـیف کہ آخر خـمار میں مریے

اِن شعروں کو دیکھنے سے اِن کے کمال مشّاقی کا پتا چلتا ھے -

پروانہ

علی شاہ نام، مرادآباد کے باشندے، قیام‌الدین قائم کے شاگرد اور عہد شاہ عالم کے شاعر تھے - ایک شعر اُن کا تذکرۂ نساخ اور تین شعر اُس کے علاوہ تذکرۂ خمخانۂ جاوید میں درج ھیں - اِس بیاض میں ایک غزل اُن کی پائی جاتی ھے جس کا کوئی شعر دونوں تذکروں میں نہیں - غزل کے دیکھنے سے پتا چلتا ھے کہ مشّاق شاعر تھے - اور خوب کہتے تھے - زبان ایسی صاف ھے کہ ایک آدھ جگہ کے سوا بالکل آج کی معلوم ھوتی ھے -

اُس کا پیغام مجھے کیوں‌کہ زبانی آوے
نام سنتے ھی مرا جس کو گرانی آوے
جھوٹ کہتا ھے رے قاصد، یہ زبانی پیغام
مجھ کو باور نہیں جب‌تک نہ نشانی آوے
ناصحا ھم ترے کہنے سے کریں ترک شراب
اِس توقع پہ، اگر پھر کے جوانی آوے
دین و دنیا سے سروکار ھے کس کافر کو
رات دن فکر یہی ھے، کہیں جانی آوے

جا کے گلشن میں کروں چاک گریباں اپنا
سیر گلشن کی بھی مجھ دل کی دوانی آوے
کچھ چھپا نہیں ہے، نمودار ہے پروانے کا حال
شمع کی طرح نہ گو چرب زبانی آوے

تاباں

تاباں کے موجودہ مطبوعہ دیوان، مرتبۂ سید بادشاہ حسن صاحب میں - جو کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن کے نسخے (مرقومہ سنہ ۱۲۲۹ھ) کی نقل ہے اور جس کو مولوی وزیر علی صاحب مدرس سٹی کالج حیدرآباد کے کتب خانے والے نسخے مرقومہ سنہ ۱۲۴۵ھ سے بھی ملا لیا گیا ہے - ایک غزل کا صرف شعر نمبر ۲ ہے جو یہ ہے :

ترے رخسار پر دیکھا جو میں نے زلف کو ظالم
دلوں کے قید کرنے کے لیے زنجیر پھرتی ہے

حالانکہ مطبوعہ دیوان کے دیباچے میں مرتب نے وہ شعر بھی لکھا ہے جو میر حسن نے اپنے تذکرے میں نقل کیا ہے اور جس سے تاباں کی محبت کا سلیمان کے ساتھ پتا چلتا ہے - تعجب ہے کہ مرتب نے غزل میں اُس کو کیوں شامل نہیں کیا - بہر حال ہماری بیاض میں پانچ شعر کی حسب ذیل غزل موجود ہے -

ہزاروں بار صاحب ہوش کی تدبیر پھرتی ہے
ولیکن حق تعالیٰ کی نہیں تقدیر پھرتی ہے
ترے رخسار پر دیکھا جو میں نے زلف کو ظالم
دلوں کے قید کرنے کے لیے زنجیر پھرتی ہے
نہ گل کچھ بات کہتا ہے، نہ غنچہ منھ لگاتا ہے
چمن میں آج بلبل، دیکھ تو دلگیر پھرتی ہے

سلیماں کیا ہوا ، گر تونظر آتا نہیں مجھ کو
مری آنکھوں کی پتلی میں، تری تصویر پھرتی ہے
نہ ہو قربان کیوں تاباں سن او ترک کماں ابرو
تری ترچھی نگہ جوں بازگشتی تیر پھرتی ہے

اِسی طرح ایک اور غزل ہے جس میں سات شعر ہیں ، مطلع یہ ہے -

رکھتا تھا ایک جی سو ترے غم میں جا چکا
آخر تو مجھ کو خاک میں ظالم ملا چکا

مطبوعہ دیوان میں پانچ شعر ہیں - یہ دو شعر جو حقیقتاً غزل میں بیت الغزل کہے جانے کے قابل ہیں موجود نہیں ہیں -

کچھ فائدہ نہیں ہے نصیحت کا اب مری
ناصح حیا ، مَیں عشق میں اپنی اُڑا چکا
کس منہ سے بولتے ہو، مخطّط ہو، مجھ سے اب
جب تک تھا حسن ، ناز تمہارا اُٹھا چکا

اِسی طرح ردیف ض میں ایک غزل ہے جس میں پانچ شعر ہیں، مطبوعہ دیوان میں صرف چار شعر ہیں ، ایک شعر نہیں ہے -

جو دلربا لے دل کے تئیں اور پھر نہ دلداری کرے
رهتا ہوں بے دل اُس سے میں ، اُس بےوفا سے کیا غرض

جعفر

جعفر علی خاں نام تھا ، عہد شاہ عالم کے مشاہیر امرا اور خوش گویوں میں سے تھے - اِن کا صرف ایک مطلع تذکروں میں ملتا ہے -

چمکتے دانت دیکھے یار کے مسّی لگانے میں
جڑیں ہیں قطبیاں الماس کی ، نیلم کے خانے میں

مگر ہم بیاض موجودہ سے دو مکمل غزلیں ' دو غزلوں کے دو دو شعر اور ایک قطعۂ مبارکباد جو اُنھوں نے اپنے زمانے کے کسی بڑے عہدے دار کی تعریف میں کہا ہے ' درج کرتے ہیں - غزلوں سے علم ' مشّاقی اور خوش‌گوئی کا پتا چلتا ہے -

پاس ہونے سے مرے اِتنا جو بیزار ہوئے
سچ کہو ' کس کے میاں ' اِن دنوں تم یار ہوئے

دل و دیں لے تو چکے ' طالب جاں ہو اب کیا
سارے خوبان جہاں میں تمھیں عیّار ہوئے

اپنے بالین غم عشق کے بالیں (؟) پہ صنم
ایک دم آ نہ کبھی تم مرے غمخوار ہوئے

ہم‌سے بیماری دل کا نہ ہوا کچھ بھی علاج
جتنی کی ہم نے دوا اُتناهي بیمار ہوئے

مژدہ اے مرگ کہ ہم معرکۂ عشق میں آج
پہلے منصور نمط آ بہ سرِ دار ہوئے

دام الفت میں ترے دیکھ کے اے دانۂ خال
یک بیک آکے ' بہت ہم سے گرفتار ہوئے

تم سے اُمید وفا تھی نہ جفا تھی خواهش
اِس قدر کس کے لیے میرے دل آزار ہوئے

حیف صد حیف کہ ہم دور ہوں تجھ سے اے یار
غیر یوں آ کے ترے محرم اسرار ہوئے

شرم عصیاں سے نہ ہو اتنا ملول اے جعفر
شافع روز جزا حیدر کرّار ہوئے

تجھ کو اے میرے یار سچ کہیو　　کس کا ہے انتظار سچ کہیو
دل تمہارا ہے کس طرف مائل　　رہتے ہو بےقرار سچ کہیو
تیرے آنے کا کیا ہوا باعث　　اِس طرف کو گزار سچ کہیو
مے اُلفت کا غیر کا اے صنم　　کھینچتے ہو خمار سچ کہیو

اب تجھ سے کہوں جو کچھ ہے دل میں میرے
سب تجھ سے کہوں جو کچھ ہے دل میں میرے
ناصح تو عبث جان کھپاتا ہے مري
کب تجھ سے کہوں جو کچھ ہے دل میں میرے

آرام نہ دل کو بےقراری کے سبب　　نے چشم کو خواب آہ و زاری کے سبب
واقف نہ تھے ہم تو اِن بلاؤں سے کبھی　　جو کچھ دیکھا، سو تیری یاری کے سبب

رزم اعدا کو جو میدان معارک ہووے
سیف کو آیۂ والفتح پلارک (؟) ہووے
سلطنت میں شہ عالم کی ہوئے تم ناظم
حافظ اب سورۂ والشمس و تبارک ہووے
ذات سے تیری ہیں وابستہ امورات جہاں
تمہیں سے کام وزارت کا تدارک ہووے
ایک یہ سال ہزار اور بتائید خدا
بخشی الملک ...... یہ نور مبارک ہووے
دوستوں کو ترے، دن عید ہو، شب بزم نشاط
دشمنوں کو ترے، یہ سیف بتارک ہووے
اپنے جعفر کو تو دَر دَر نہ پھرا صاحب جود
تیری دولت میں نمک کا ترے شارک ہووے

حسرت

میرزا جعفر علی نام ، حسرت تخلص ، قدیم دهلی کے باشندے تھے - اِن کے بزرگوں کی دهلی میں اکبری دروازے کے قریب عطّاری کی دوکان تھی - اِنھوں نے خود لکھنؤ میں نخاس کے اندر عطّاری کی دوکان رکھی تھی - یہ سرپ سنگھ دیوانہ کے شاگرد تھے - اور اِن کے اِتنے شاگرد تھے کہ یہ خود اُن کو پہچان نہ سکتے تھے - اُن سب میں شیخ قلندر بخش جرأت بہت نامی تھے - ایسا معلوم ہوتا ھے کہ اِنھوں نے شاہزادۂ مرزا جہاندار شاہ کی رفاقت میں آکر عطّاری کا پیشہ چھوڑ دیا تھا ، اور پھر گوشہ نشین ہوگئے تھے - اِسی عالم میں سنہ ۱۲۱۰ھ میں لکھنؤ میں انتقال کیا ، اور وهیں دفن ہوئے - یہ مرزا علی لطف کا بیان ھے ، جو اِن کے ہمعصر تھے - لیکن خمخانۂ جاوید میں سنہ ۱۲۱۷ھ اِن کا سال وفات لکھا ھے ، اور کوئی حوالہ نہیں دیا ھے -

ایک کلیات اِن سے یادگار ھے جو بہت کمیاب ھے - اُس میں دو دیوان غزلیات کے بھی ہیں - اُن کے علاوہ اُس میں تمام اصناف سخن پائے جاتے ہیں- لیکن سوائے اُس انتخاب کے جو تذکرہ نویسوں نے درج کیا ھے عام طور پر اُن کا کلام نہیں ملتا ھے - مولانا حسرت موهانی نے قریب قریب ایک جز کا اِن کا انتخاب شائع کیا ھے - مگر معلوم یہ ہوتا ھے کہ اُن کو بھی پورا کلام دستیاب نہیں ہوا - یونہیں کسی مجموعے سے یہ کلام لیا گیا ھے ، ورنہ ایک ضخیم کلیات کا انتخاب صرف ایک جز ! سمجھ میں آنے والی بات نہیں ھے - بہر حال یہ چند شعر جو ہم کو ملے ہیں کسی تذکرے یا انتخاب میں نہیں ملتے -

کب تک مَیں دل میں غم کو چھپاتا رہا کروں
یارو جگر جلے ھے نہ روؤں تو کیا کروں

آگے ہی اُس کے غم سے ہوں میں نیم جاں اے آسماں
تس پر نہ دکھ دے مجھکو تو اے آسماں اے آسماں

قفس میں بلبلیں کہتی تھیں کل صیّاد سے رو رو
ہماری جان جاتی ہے تجھے ظالم تماشا ہے

میں کیا کہوں کہ کیا ہے جگر اور کیا ہے دل
آتشکدہ جگر ہے، یہ ماتم سرا ہے دل
ناصح تو رات رونے سے مت منا کر مجھے
کیونکر نہ روؤں میں کہ مرا گم ہوا ہے دل
چاہے تو جی دے لطف سے چاہے تو قتل کر
جس میں تری رضا ہو، سو کر، مبتلا ہے دل

حشمت

نام میر محمد علی یا محمد علی خاں تھا - گلشنِ بے خار میں پہلا، اور تذکرۂ قدرت میں دوسرا نام مذکور ہے - بقیّہ تذکرہ نویسوں نے صرف محمد علی حشمت لکھا ہے - قدیم وطن کشمیر تھا - مگر غالباً آبا و اجداد ترکِ وطن کر کے دہلی میں سکونت گزیں ہو گئے تھے، تاہم وطن کی آمد و رفت کا سلسلہ منقطع نہیں تھا - یہی وجہ ہے کہ حشمت مرحوم، غنی بیگ قبول [۱] کے شاگرد ہوئے -

حشمت کے دو بھائی اور بھی تھے، جن میں سے ایک کا نام عابد علی خاں [۲] اور دوسرے کا مراد علی خاں تھا - اور شاہ عالم ثانی کے یہاں داروغۂ جواہر خانہ کی خدمتِ عالیہ پر مامور تھے -

---

[۱]—ان کا نام مرزا عبد الغنی کشمیری تھا - دہلی میں رہتے تھے - اسی لیے حشمت کو اُن کی شاگردی کا موقع ملا - کشمیر کی آمد و رفت کی وجہ سے نہیں - (ادارہ)
[۲]—عابد یار خاں، تذکرۂ قدرت و خمخانۂ جاوید، (ادارہ) -

حشمت بذات خود نہایت جری زورآور بہادر اور اپنے وقت کے مشہور دلیروں میں تھے - فنونِ سپہ گری کے زبردست مشّاق ' پہلوانی میں طاق ' پھنکیتی میں شہرۂ آفاق تھے - اگرچہ میر تقی میر نے اُن کے اخلاق پر سخت حملہ کیا ہے ' اور یہ جملے اُن کے لیے استعمال کیے ہیں کہ " اکثر بر شعر ہاے مردماں اعتراضاتِ بےجا میکرد ' و جوابِ باصواب می یافت ' ...... حاصل عجب ہنگامہ پردازے بود - دریں ایام ہم چو روے ہم بہم نمی رسد " - مگر میر صاحب خود شعلہ مزاج تھے ! بخلاف اِس کے میر صاحب کے معاصر اُن کی راے سے اختلاف کرتے ہیں ' قائم لکھتے ہیں ' " حیا و حمیّت و آدمیّت خلافِ کلیۂ وطن داشت...... ہمانجا مع خانِ مذکور بجرأتِ تمام کشتہ شد " - حکیم قدرت‌اللہ قاسم کہتے ہیں ' " گویند کہ مردِ خوش معاش صاحب قماش بود " -

حشمت کی شاعری کو بھی میر صاحب نے بہت برا کہا ہے ' "در شعر ریختہ کہ بسیار پاچیانہ می‌گفت ' گپہا دارد " مگر اِس سے کیا ہوتا ہے ؟

(۱) حکیم قدرت‌اللہ قاسم اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں " از دیرینہ مشقانِ دیریں زماں و اُستادِ عبدالحی تاباں است " -

(۲) مصحفی فرماتے ہیں " شعرِ فارسی را بسیار بہ‌لطافت میگفت و گاہ گاہے خیالِ ریختہ ہم داشت - ایں مطلع دلیل بر لطافتِ طبعِ اوست ' نکہت گل نے جگایا کسے زنداں کے بیچ

پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ " -

(۳) میر حسن کا خیال ہے " شاعرِ مربوط گو و دقّت پسند بود " -

(۴) مؤلفِ خمخانۂ جاوید کہتے ہیں کہ " حشمت فضیلتِ علمی کے ساتھ شعر بھی خوب کہتے تھے - مگر اِس فن میں اپنی شہرت نہیں چاہتے تھے " -

میں نے اُن کا فارسی کا ایک واسوخت دیکھا - حقیقتاً اُستادانہ
نگ ہے - اُردو کا اندازہ اِس نایاب کلام سے آپ کو خود ہی ہو جائےگا -
بہر حال تذکروں کے دیکھنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ اپنے زمانے کے
کامل الفن اُستاد تھے -

مؤلفِ خمخانۂ جاوید نے لکھا ہے کہ سنہ ۱۱۸۸ھ میں رُہیلوں
کی لڑائی میں نواب قطب الدین خاں بنیرۂ نواب نعمت اللہ
خاں رئیسِ مرادآباد کے ہمراہ شریک ہوئے اور علی محمد خاں رُہیلے کی
فوج سے مقابلہ کرتے ہوئے نہایت شجاعت و مردانگی کے ساتھ مقتول
ہوکر سرخرو ہوئے - میر عبدالحی تاباں اول اول اُنھیں کے شاگرد تھے -
چنانچہ اُن کی شہادت کی خبر سن کر اِنھوں نے نہایت درد انگیز الفاظ
میں ایک مرثیہ لکھا ہے - جو اِن کے دیوان میں موجود ہے ، اور جس کے
بعض شعر نہایت دردانگیز ہیں ، جو دلی رنج و غم کا پتا دے رہے ہیں -
مثلاً

چھوڑ عالم کا دید واویلا | کی شہادت خرید واویلا
ہو اجل مستفید واویلا | یار ہوں نا اُمید واویلا

ہائے حشمت شہید واویلا

میں وہی ہوں کہ ایک دم میں جو | وحشی ہوتا تھا بن ملے رُو رُو
ایک دم چَین ہی نہ تھا مجھ کو | سو ہے موقوف خواب میں اب تو

ہائے حشمت شہید واویلا

تیرا تاباں غریبِ خستہ جگر | فکرِ تاریخ میں تھا حد مضطر
مصرعِ آخری پہ کی جو نظر | کد سے ہاتف نے اُس کو دی یہ خبر

ہائے حشمت شہید واویلا

اگر آخری مصرع کے اعداد نکالے جاتے ہیں تو خمخانے کا قول صحیح
نہیں معلوم ہوتا ، کیونکہ اُن کا سنِ وفات سنہ ۱۱۴۷ھ نکلتا ہے ، اور

بھی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے - نہ صرف اِس وجہ سے کہ تاباں اُن کے شاگرد تھے ' بلکہ اِس وجہ سے بھی کہ نواب علی محمد خاں روھیلہ کی شمعِ زندگی سنہ ۱۱۶۲ھ میں بُجھ چکی تھی -

حشمت کا کلام ممکن ہے کہ کسی خاص لائبریری میں موجود ہو مگر عام طور سے وہ بالکل نا پید ہو چکا ہے ' انتہا یہ کہ تذکرۂ قدرت‌اللہ قاسم میں بھی صرف دو شعر پائے جاتے ہیں -

خط نے ترا حسن سب گنوایا　　یہ سبزقدم کہاں سے آیا

نکہت گل نے ستایا کسے زنداں کے بیچ　　پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

میر کے یہاں بھی دو شعر ہیں - پہلا شعر وہی جو لکھا جا چکا کسی قدر اختلاف کے ساتھ ہے ' دوسرا شعر یہ ہے -

جب آ خزاں چمن میں ہوئی آشنائے گل
تب عندلیب رو کے پکاری کہ ہائے گل

تذکرۂ میر حسن میں یہی دو شعر ہیں اور میر کے مطابق ہیں - تذکرۂ قائم میں اِن میں سے پہلا شعر ہے جو میر کے مطابق ہے - اور تذکرۂ لچھمی نرائن شفیق میں بھی یہی دو شعر ہیں - تذکرۂ مصحفی میں نئے دو شعر ہیں -

گور کے سوتے دِوانوں کو جگاتی ہے بہار
شور ہے غل ہے قیامت مست آتی ہے بہار

حشمت اپنا درد دکھ تو اِس برس مظہر سے کہہ
ہم نے کی ہے توبہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار

تذکرۂ خمخانۂ جاوید میں دو شعر ہیں ' ایک وہی جو پہلے نمبر پر میر کے یہاں ہے ' دوسرا شعر نیا ہے -

غم نے لیا ہے گھیر مجھے یاں تلک کہ اب

دیتا ہے ساتھ دینے سے مجھ کو جواب دل

تذکرۂ گلشن بے خار میں پہلا شعر ہے اور تذکرۂ قدرت کے موافق ہے ' تذکرۂ نسّاخ ' میں وہی دو مذکورہ شعر ہیں - اِس حساب سے اُن کے کُل چھ شعر ملتے ہیں - لیکن ہم اپنی بیاض سے ایک مخمّس واسوخت ۳۶ بند کا پیش کرتے ہیں - اور ایک مخمّس ۷ بند کا ' جو کلام کا ایک معتد بہ حصہ ہے اور غالباً یہ نوادر میں سے ہے -

---

واسوخت

یا الٰہی میں کہوں کس سٹی اپنا احوال

زلف خوباں کی مرے دل کو ہوئی ہے جنجال

یا رب اِس پیچ سٹی اِس دلِ شیدا کو نکال

کاش ' یا موت ہو ' یا دور ہو سر سے یہ خیال

تجھ سوا اَور سٹی میں یہ کہوں اپنا حال

تیری ہی ذات سے میرا تو یہ ہردم ہے سوال

ساز آباد خدایا دلِ ویرانے را

یا مَدد مہرِ بُتاں ہیچ مسلمانے را

کہوں رے دل ' جائیے پھنسا میں نہ تجھے کہتا تھا

عشق ہے دامِ بلا ' میں نہ تجھے کہتا تھا

ہاتھ خوباں کے نہ آ میں نہ تجھے کہتا تھا

کرکے فریاد سدا میں نہ تجھے کہتا تھا

اُن کی باتوں پہ نہ جا میں نہ تجھے کہتا تھا

دیکھ اب اُن کی وفا میں نہ تجھے کہتا تھا

انچہ کردی تو دلا با خود و با جانِ من
کس نہ کردست چنیں کار کسے با دشمن

تجھ کو اُس شوخ سے تنہا نہ پڑا ہے پالا
مفت میں مجھ کو تولے کر کے بلا میں ڈالا
یوں ہوا ہے تو مری جان کا لینے والا
ہائے افسوس میں دشمن کو بغل میں پالا
مل کے آنکھوں سے دِوانے تو مرا گھر گھالا
سچ کہہ اے دل کہ بھلا میں نے ترا کیا ڈھالا

ایں زماں چارہ نہ دارم کہ چہ تدبیر کنم
کردۂ خود بہ کہ گویم و چہ تقریر کنم

کیا کرے دل بھی، محبت کا بُرا ہے یہ فسوں
کب تلک دل سیتی اِس کا وشِ بےجا کو سہوں
اِس غم و درد و بلا بیچ کہاں تک جو مروں
کب تلک شمع نمط، غم سیتی رُو رُو کے جلوں
اب نہیں تاب زباں کو کہ میں خاموش رہوں
کیونکہ اب حالِ دل اُس شوخ سے جا کر نہ کہوں

شرحِ ایں آتشِ جاں سوز نہ گفتن تا کے
سوختم سوختم ایں سوز نہفتن تا کے

یار تجھ زلف کے سودے میں پریشاں ہے دل
تیرے دیدار کا جوں آئینہ حیراں ہے دل
داغِ ہجراں سے ترے رشکِ چراغاں ہے دل
گاہ ویرانۂ و گہ شمعِ شبستاں ہے دل

کس قدر اپنے کیے سے، یہ پشیماں ہے دل

کیا کہوں تجھ سے، بہت بےسروساماں ہے دل

حالِ دل سوختہ شوقت چہ شنیدن دارد

بیخود است ایں قدر آئینہ کہ دیدن دارد

تم سے امید یہی تھی کہ یہ بیداد کرو

دل ہمارے کو رہا، غیر کا دل شاد کرو

جرم کیا ہم سے ہوا، جانِ من ارشاد کرو

تب مجھے بندگی اپنی سیتی آزاد کرو

خاکساری کو مری ورنہ کیوں برباد کرو

کچھ تو اُس اگلی بھی اُلفت کو صنم یاد کرو

یاد باد آنکہ سرِ کوے توام منزل بود

بزباں بود مرا انچہ ترا در دل بود

کیوں رے بے مہر، تجھے یاد ہے وہ اگلی چاہ

ایک دن میری جدائی کا، تجھے تھا اک ماہ

کہہ تو مجھ سات کہ اثبات کیا کیا جو گناہ

ہرگز احوال پہ میرے نہیں تو کرتا نگاہ

بلکہ کہتا ہے رقیبوں سے، نہ دو اِس کو راہ

اِس قدر ہم سیتی بیزار ہے سبحان اللہ

یاد باد آں کہ بہ بزمت رہِ بیگانہ بود

گردِ شمعِ رخِ تو خرمنِ پروانہ بود

اِس قدر چشمِ مروّت کا تھا مت اک بار

تک تو اب دل میں سمجھ تُجھے کر انصاف اے یار

کیچ کلا ہوں میں تجھے کس نے بُلایا نکدار

ورنہ خوباں میں نہ کرتاتھا کوئی تجھکوشمار

بلکہ پھرتا تھا ہر اک جاے پہ تو سو سو بار

اپنی مجلس میں نہ دیتاتھاکوئی تجھکو بار

ایں زماں، جاے تو در دیدۂ مردم شدہ است

روے زیبا ے تو از دیدۂ ما گُم شدہ است

باندھنا لت پٹے چیرے کا سکھایا ہم نے

تنگ جامے کو تری بَر میں کُھبایا ہم نے

وکھ کے جمدھر کو تجھے تیکھا بنایا ہم نے

اکڑ چلنے کی وضع تجھ کو بتایا ہم نے

شوخی و ناز کے عشوے کو جتایا ہم نے

ھاتھ اپنے سے غرض تجھ کو گنوایا ہم نے

ایں نہ گویم کہ من از دست تو گشتم دلریش

کردۂ خویش، مثل ہست، کہ می آید پیش

سچ کہو، کس سے تمہاری بھی یہ لاگی ھے لگن

کیا ہوا، کس کو تکا، کس کا لیاھاتھ میں مَن

ہم سے کچھ روز تنک ھی میں لوے پھیر نیَن

کیا ھوا تم نے جو ہم ساتھ کیے تھے وہ بچن

دل مرا ٹوٹ گیا تجھ ستی اے عہد شکن

حیف اِس دل کی قدر تونے نہ جانی رےسجن

دل کہ طومارِ وفا بود منِ محزوں را

پارہ کردی تو، ندانستی صنم، مضموں را

واہ واہ ایسی بھی دیکھی ہے وفا تم سیتی

اب کوئی طرز وفا سیکھ لے آ تم سیتی

غیر کے واسطے جو سمجھ پہ ہوا تم سیتی

میں تو ناچار ہوں سمجھیگا خدا تم سیتی

میں عبث غیر کا شکوہ ہے کیا تم سیتی

دیکھ لینا تھا جو کچھ، دیکھ لیا تم سیتی

گر بہ ظاہر بہ کسے خلق نکو خواہی کرد

شوخ باما تو چہ کردی کہ بہ او خواہی کرد

اولاً دل کو مرے تم نے لیا ہر عنوان

اب جو کرتے ہو مجھے دیکھ کے یہ بھوویں تان

میں تو معلوم کیا ہے غرض اب بات کا جان

بسکہ ہوتا نہیں کچھ ہم سے لیا تم نے یہ جان

خوب نہیں زیادہ نپٹ حد ستی کرنا یہ گمان

حسن بھی جائیگا تو جان لے آخر کو ندان

تو نہ دانی کہ غم عاشق زارت باشد

تو شود خاک، بہ پاں خاک مزارت باشد

چشم بد دور میاں خوب نکالے یہ ڈھنگ

جا پچھوڑوں میں، قدح بھر کے لگے پینے بھنگ

خلدوں میں بیٹھ کے سیکھے ہو بجانی ملھو چنگ

اب تو جاکر کے کسو ساتھ کروں گا میں جنگ

چھوڑو یہ طور میاں، تم نہ کرو ہم کو بہ تنگ

اس قدر آپ ستی ہم نے اٹھایا ہے ننگ

من اگر کشتہ شوم باعثِ بدنامیِ تست
موجبِ شہرت و بےباکی و خود کامیِ تست
صحبتِ بد میں تمہیں آتم، پھر خلوت ہے
غیر کے ساتھ شب و روز تمہیں خلوت ہے
دیکھ کر طَور تمہارے، مجھے یہ حیرت ہے
گر ہو تم آدمی زادے، تو یہ کیا غیرت ہے
واہ وا چاہیے ایسا ہی تمہیں رحمت ہے
ایسی برداشت کی "کہہ" کسکو سجن طاقت ہے
گر چنین است کہ دائم بہ ملامت باشید
مابہ خیریم، شما نیز سلامت باشید
تم سے کہتے ہیں حریفانِ دغا راز مدام
اےمیاں ہمیں تیری میٹھی محبّت کے غلام
خط نکالوگے تو معلوم ہوگا اُن کا کلام
سب چلے جائیں گے آخر کو تمہیں کر بدنام
پھر تو رسوا کریں گے مل کے تجھے خاص و عام
دیکھ، پھر بھی سمجھ اےیار، نہ کر ایسا کام
زاں بیندیش کہ از کردہ پشیماں باشی
جمع با جمع نباشی و پریشاں باشی
اِس قدر یار بُرے کام اُپر، مت مَن دے
مان میرا بھی کہا، بات مری سُن، مَن دے
مت ملا کر تو ان تو بوں سے، کہ وے ہیں خندے
کرکے بد نام تمہیں جائیں گے وے سب خندے

کیا بڑے ہوگے تمہیں صفت کے ہم ہیں بندے
ایک ہوسے کے کبھی جان نہیں شرمندے

عاشقم چو منت نیست، خدا می داند
پاک بازم، همه کس طرزِ مرا می داند

کاش کے، تجھ سے مرے مہر کے رشتے ٹوٹیں
تب تو اے یار، مرے دل کے پھپھولے پھوٹیں
تھوڑے مل کے تم، ہم ساتھ نہ پوچھو چھوٹیں
ہم ترستے ہی رہیں، پھر مزے سب لوٹیں
تب تلک زہر کے گھونٹوں کو پیالی، ہم گھونٹیں
[illegible] تو [illegible] سے چھوٹیں

این قدر زندگیِ خویش مرا دشوار است
گر نه کشتی، حقِ تو بر من...... یار است

کیا کوئی اور مرے یار، نہ تھا دنیا میں
کیا کوئی اور طرح دار نہ تھا دنیا میں
کیا کسو ساتھ کسو پیار نہ تھا دنیا میں
زلف تیری سے سروکار نہ تھا دنیا میں
عشق سے کوئی گرفتار نہ تھا دنیا میں
زلف تیری سے سروکار نہ تھا دنیا میں

هیچ کس هم چو من از دست تو همخوار نه شد
خوار و رسوای سرِ کوچه و بازار نه شد

دل مرا سمجھ نہیں، سنگِ ستم سے ہے چور
تو بھی آنکھوں میں تیری، یار، نہیں ہے منظور

ھاتھ تیرے سے کہاں جاؤں، ارے ھوں مہجور
دیکھ بیتاب مجھے، حسن سے مت ھو مغرور
اے میاں، دیکھ، نہ بھاوے گا خدا کو یہ غرور
کیا کروں ھائے، زمین سخت فلک ھے گا دور
آں کہ رخسارِ ترا رنگِ گل و نسریں داد
صبر و آرام تواند بہ منِ مسکیں داد

شیشۂ دل کو مرے سنگِ ستم سے توڑا
دل نے میرے بھی میاں، تم ستی اب مکھ موڑا
جو کچھ ھم ساتھ کیا تم نے، نہیں یہ تھوڑا
بس کرو بس کرو، زیادہ نہ کرو نکٹوڑا
مجھ سے بیتاب پہ ظالم، نہ کر اِتنا زورا
میں ترے واسطے ناموس و حیا سب چھوڑا
مے دھم جاے دگر، دل بہ دل آراے دگر
چشم خود فرش کنم، زیرِ کفِ پاے دگر

کیا کرے دل بھی، اِن آنکھوں نے مجھے خوار کیا
آپ، اُس شوخ سے مل، مجھ کو گرفتار کیا
خوار و رسواے سرِ کوچۂ و بازار کیا
مفت میں مجھ کو اِس اندوہ سے بیمار کیا
کچھ نہ میں نے ھی کیا جرم، نہ کچھ پار کیا
خوب دیکھا، تو، اِن آنکھوں نے مجھے خوار کیا
دیدی! آخر بہ تو آں چشمِ ستمگار چہ کرد
با تو در دوستی، آں نرگسِ عیّار چہ کرد

دل اکیلے کو نہ اب غم نے کیا ہے پامال
نین بھی رو کے دکھاتے ہیں مجھے اپنا حال
ہائے رے ہائے، پڑے ایسی محبت پہ زوال
صبر جل راکھ ہو، پامال ہوا دل... مآل
دل اُپر تلخ ہوئی زندگی اور مجھ‌پہ وبال
جاکے اُس ساتھ کہوں گا جو میں سب اپنا احوال [۱]
بس کہ رسوائے تو ام اے بتِ بیگانۂ من
شہرت از ہند بہ ایراں برد افسانۂ من

کِن کہا تجھ کو، کہ یہ جور ہمیں ساتھ کرو
دل ہمارے کو بہ تنگ، اَور کا دل ہاتھ کرو
ہم سے منھ موڑ کے اور غیر ستی، بات کرو
ہم سے ہو تلخ، رقیبوں سے مدارات کرو
غیر سے انکھیاں ملائیں جو ستمگھات کرو
بات اُس دن کی دکھو، یاد وہ تم رات کرو
کہ بہ کف زلفِ تو و در نظرم روے تو بود
شانۂ و آئینہ دور از رخ و گیسوے تو بود

حاسداں تم کو صنم، بیٹھ کے بہکاتے ہیں
ہم سے دل توڑ تمہارے کو، وہ پھندلاتے ہیں
کیا ہوا تم کو صنم، گرچہ وے ہی بہاتے ہیں
آج کل جور تمہارے سے وہ سب جاتے ہیں
پھر وہی ہم ہیں، وہی تم ہو، وہی راتیں ہیں
وہی خطیں ہیں، وہی دل ہے، وہی باتیں ہیں

---

[۱] — مصرع موزوں نہیں ہے۔ (ادارہ)۔

باز فرداست کہ زلفِ تو بود در دستم
من ہماں عاشقِ مستانہ کہ بودم ' ہستم
اب جو تم نے ہمیں محکوم کیا فرما کر
نہیں کر تکھی ' بھواں موڑ ' پلک جھپکا کر
روٹھہ چلتے ہو' تلک بات میں بھی بل کھاکر
نہ سمجھتے ہو' نہ کہتے ہو ہمیں سمجھا کر

کہ ز دل بردنِ من' چشمِ تو مقصود چہ داشت
یا ز دل بردن و از راندنِ من سود چہ داشت
دین و دنیا کی طلب تجھ' تجھے مطلوب کیا
بلکہ عیّار تمام آفت و آشوب کیا
ہم نے کیا کیا نہ ترے ہجر میں محبوب ! کیا
صبرِ ایوب کیا ' گریۂ یعقوب کیا
جب ترے نقش کو میں' دل میں' خوش اسلوب کیا
منھہ اُدھر پھیر کے تم' تھا تھہ بہت خوب کیا

یاد آں شب کہ مرا نیز بہ بزمت رہ بود
چشمِ محبوبِ تو از رازِ دلم آگہ بود
خیر ہے ' ھنس کے تم اب بات نہیں کرتے ھو
دل ھمارے کی مدارات نہیں کرتے ھو
مجھ پہ کچھہ جرم ہے' اثبات نہیں کرتے ہو
وہ جو تھا عہد ہمیں سات ' نہیں کرتے ھو
ظلم اپنے کا مکافات نہیں کرتے ھو
حیف اِس دل کو سجن' ھات نہیں کرتے ھو

نے تمہیں سے یہ چلی طرز و ادا دنیا میں
جور کی تم نے رکھی تازہ بنا دنیا میں

هیچ معشوق بہ عشّاق چنیں جور نہ کرد
جور اگر کرد، چنیں جور بایں طور نہ کرد

دوڑ کر دل کو بڑھا کر کے گھٹا دیتے ہو
کھینچ لیتے ہو، کبھی چھوڑ گوا دیتے ہو

غوطہ دے کر کے زمین بیچ گرا دیتے ہو
آسمان پر بھی کبھی اور چڑھا دیتے ہو

دل ہے کنّی نہیں یہ، جسکو اُڑا دیتے ہو
میں تو ناداں نہیں، جو مجھکو دغا دیتے ہو

بعدازیں دل بہ هوائے تو نهادن بیجاست
رشتۂ عہد و وفائے تو کشادن بیجاست

سچ کہوں، آج تئیں تجھسے نہیں هٹتا دل
گرچہ منکر ہے زبان، لیک نہیں بٹتا دل

تیرے اِس جور سے هرگز بھی نہیں گھٹتا دل
ایسی سو تیغ جفاؤں سے نہیں کٹتا دل

تیرے بیداد سے اے شوخ نہیں......دل
لیکن اِس پر بھی عجب ہے کہ نہیں چھٹتا دل

دلِ عشّاق نہ دانی کہ برنگِ دلِ تست
دل اگر سنگ شود همچو نہ سنگِ دلِ تست

اب تو پھر قہر کیا تم نے سجن هائے رے هائے
گئے طوطے کی طرح پھر نین هائے رے هائے

چھوڑ اپنے کو کیا تم نے کٹھن ہائے رے ہائے
ہاتھ سے تم نے دیا مفت یہ مَن ہائے رے ہائے
نہ سنا تم نے مرا ایک بچن ہائے رے ہائے
دیکھ پھر بھی سمجھ اے عہد شکن ہائے رے ہائے
گرچہ دل خستہ شدم از تو محبّت باقی است
ما همانیم و هماں عہدِ مروّت باقی است

بسکہ تجھ زلف کے سودے میں پریشاں ہوں گا
توڑ زنّار کو اب پھر سے مسلماں ہوں گا
بت پرستی سے نکل تابعِ قرآں ہوں گا
گرچہ ہے کفر ولے قائلِ ایماں ہوں گا
لیک پھر مل کے عبث سب سے پشیماں ہوں گا
سیس کو رکھ کے ترے پانو پہ قرباں ہوں گا
کافرِ مذہبِ اربابِ مروّت باشد
ہرکہ جز کوے تو با کعبہ اش الفت باشد

پھر وہی دن بھی خدا مجھ کو دکھاوے گا کبھی
رس بھری باتیں تری مجھ کو سناوے گا کبھی
تجھ لباں سے قدحِ عیش پلاویگا کبھی
جذبۂ عشق سے تجھ اینچ بھی لاوے گا کبھی
تیری زلفوں سے مری داد دلاوے گا کبھی
پھر بھی مقصود مرا تجھ سے بر آوے گا کبھی
دلِ حشمت بسرِ زلفِ تو گر باز شود
عقدۂ عاشقِ دیرینہ دگر باز شود

مخمس

اے واعظو بہت نہ کرو شور ' بس کرو

اپنی کتاب باندھ کے تم طاق پر دھرو

سب بندے ہیں خداکے اِسی بوجھ مل چلو

بے پیچ آج مستوں سے مت اِس گھڑی لڑو

کل معرکے میں ہم بھی ہیں اور تم بھی واہ واہ

ہم مست ہیں ازل کے ' نہیں اور کچھ خیال

ہوویں گے کل کو ساقیِ کوثر سے ہم نہال

کہتا ہوں بات سب سچی میں با زبانِ حال

اے اہلِ خانقاہ کرو ختم قیل و قال

کل معرکے میں ہم بھی ہیں اور تم بھی واہ واہ

اے زاہدو یہ تم نہ کرو میکشوں کو نام

دیکھیں تو کن کو ساقیِ کوثر پلائے جام

کل کون ہوئے مقتدی اور کون ہو امام

ڈنکا بجا کے کون اِرَم میں کرے مقام

کل معرکے میں تم بھی ہو اور ہم بھی واہ واہ

نت شیخ اور برہمن جپتے ہیں اُس کا نام

پھر کیوں عبث یہ لڑتے ہیں مستوں سے بے لگام

بیکُنٹھ اور بہشت کا ہے ہم کو نت پیام

ہے شیخ کو سلام ' برہمن کو رام رام

کل معرکے میں تم بھی ہو اور ہم بھی واہ واہ

اے زاہدانِ خشک تمہیں فقر سے اِبا

تسبیح لے کے مت کرو مستوں کو بد دعا

ہم ہیں کہ سینہ صاف ہیں، سب سے با صفا
.... کو جز خدا
کل معرکے تم بھی ہو اور ہم بھی واہ واہ

دونوں جہاں میں شاہِ نجف کا ہوں میں گدا
گو مست ہوں، دوانہ ہوں، بےخود ہوں، بےنوا
کہتا ہوں سب سے آنکھیں ملا، صاف و برملا
ہفتاد و دو طریق کے آگے ہو یہ صدا
کل معرکے میں تم بھی ہو اور ہم بھی واہ واہ

میخانے کی گلی کا جو حشمت شہید ہے
رندوں کا پیر، پیرِ مغاں کا مرید ہے
اے زاہدو وہ ہم کو تماشائے دید ہے
تم جس کو جشن کہتے ہو، وہ ہم کو عید ہے
کل معرکے میں تم بھی ہو اور ہم بھی واہ واہ

خلیق

میر مستحسن خلیق، میر احسن خُلق کے چھوٹے بھائی اور حسن صاحبِ مثنویِ سحرالبیان کے صاحبزادے تھے۔ چند شعر کے قریب قریب ہر تذکرے میں موجود ہیں۔ مگر جو غزل پیش کرتے ہیں اُس کا کوئی شعر کسی تذکرے میں نہیں۔ نظم کردہ سے پختگیِ خیال اور صفائیِ زبان کے ساتھ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ابتدائے مشق میں کہا گیا ہے، یا قدما کا تتبع ہے، جیسا کہ دوسرے شعر سے معلوم ہوتا ہے۔ اِس غزل میں جو

لوچ، صفائی اور گھلاوٹ ہے وہ سوائے میر، سودا، قائم، اور متقدمین شعرا کے متاخرین کے کلام میں نا پید ہے -

لگائیں ہجر میں آنکھوں نے یارب اِس قدر جھڑیاں
گویا نیساں نے برسائی ہیں مروارید کی لڑیاں

خلافت تختِ صحرائے جنوں کی اُس کو لائق ہے
کہ ملکِ عشق ہوں جس ساتھہ فوجِ وحشیاں کھڑیاں

مرے گلرخ کے لعلِ لب پہ شبنم عرق کی دیکھو
گویا یاقوت میں ہیں چنیاں الماس کی جڑیاں

خلیق اِس خوفِ محشر کو تو اپنے دل سے جانے دے
قیامت اور کیا ہوگی، جو کچھہ ہیں ہجر کی گھڑیاں

راجہ رام نرائن

راجہ رام نرائن قوم کے کھتری تھے، نواب شجاع الدولہ کے دیوان تھے، اور نہایت مشہور و معروف سیاسی مدبر تھے - تواریخِ اودھہ میں برابر اُن کا ذکر آتا ہے - ادیب اور ادب نواز تھے - فارسی میں شعر کہتے تھے - بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ اردو میں اِن کا کوئی شعر نظر سے نہیں گزرا - اور بعض نے ذکر ہی نہیں کیا ہے - مگر بیاضِ موجودہ میں اِن کے نام سے دو شعر منسوب ہیں جو درج کیے جاتے ہیں -

چکوریں ماہ کے، اور بلبلیں گلزار کے صدقے
بلا سے کوئی کسی کا ہو، میں اپنے یار کے صدقے

ہزاروں دل، ترے پاؤں تلے، پستے ہیں اے ظالم
کوئی ٹھوکر ادھر بھی، اے تری رفتار کے صدقے

رضا

نام مرزا محمد رضا ' لکھنؤ کے قدیم باشندے ' مرزا رفیع سودا کے شاگرد ' صاحبِ دیوان تھے - مگر اب کلام کا پتا بھی نہیں - ۹ شعر صاحب تذکرۂ خمخانۂ جاوید نے نقل کیے ہیں - یا پانچ شعر اور ایک غزل مصحفی نے - اِن میں سے چار شعر باہم مشترک ہیں - اور دو شعر تذکرۂ قدرت‌الله قاسم میں ہیں - اِن میں سے بھی ایک شعر خمخانے اور ایک شعر مصحفی کے یہاں موجود ہے - باقی وہی چراغ سے چراغ جلتا چلا آیا ہے - بیاضِ موجودہ سے جو کلام پیش کیا جاتا ہے وہ کہیں نہیں ہے -

رات تو ہر طرح گزری مجھکو روتے پیٹتے
پر ہوا ہے کاٹنا دن کا مجھے دشوار آج

دور سے جو دیکھ مجھکو گالیاں دینے لگا
شاید آتا ہے کسی کی بزم سے سرشار آج

خوف اپنی جان کا شاید نہیں تجھکو رضا
اُس سے جو کرتا ہے تو ہربات میں تکرار آج

دیکھیے کیونکہ یار کی صورت — نہیں مجلس میں بار کی صورت
یار ظالم ہے ' دیکھیے ' کیا ہو — دلِ اُمّیدوار کی صورت
عشق نے بسکہ دل کو داغ دیے — ہو گیا لالہ زار کی صورت
مرگئے ہم ' قفس ہی میں ' اے واے — پر نہ دیکھی بہار کی صورت
جی لگاتے ہی دیکھ تو آکر — اپنے اِس بیقرار کی صورت
خاک بھی میں ہوا ' پہ دل میں ترے — بندھ رہی ہے غبار کی صورت
اے مصور اِسی سے دل بہلے — کھینچ دے مجھکو یار کی صورت
تونے کیوں پی شرابِ عشق رضا — دیکھی آخر خمار کی صورت

جہاں کا سیر کیا ' باغ و بوستاں دیکھا
پہ ہم نے تجھ سا نہ کوئی گل ' اے جواں دیکھا

تم نے کچھ قدر مری آہ نہ جانی افسوس
قدر دانی سے کوئی بات نہ مانی افسوس
داستاں درد کا اپنے ' میں کہوں کس آگے
کوئی سنتا نہیں ہے ' میری کہانی افسوس
دل اگر کھلے میں ہوتا' تو یہ دُکھ کیوں ہوتا
ہے بغل ہی میں مرا دشمنِ جانی افسوس
چشمِ تر' ضعفِ بدن' خشک لب و زردیِ رنگ
یہ ملی دادِ محبّت کی' نشانی افسوس
رحم آتا ہے رضاؔ دیکھ ترا حال مجھے
مفت برباد گئی تیری جوانی افسوس

تجھ سے اے جان' جب جدا تھے ہم — زندگی اپنی سے خفا تھے ہم
اب تو ہیں مثلِ بلبلِ نالاں — گاہ گل تھے ' کبھی صبا تھے ہم
قتل کر ' نعش کو کیا تشہیر — اِس قدر لائقِ جفا تھے ہم
اِس قدر بھی توُ مت ہو بیگانہ — کبھی تو تیرے آشنا تھے ہم
تم کو معلوم اب ہوا ہے یہ — ایک مدت سے مبتلا تھے ہم
بے گنہ اُس نے ہم کو قتل کیا — اے رضاؔ کتنے با وفا تھے ہم

قتل کس کا تجھ کو ہے منظور اے خونخوار آج
کیوں پکڑتے ہاتھ میں نکلے ہو تم تلوار آج
کوئی اِتنا تو نہیں ہے کُشتنی اِس شہر میں
قتل کو کس کے سجا ہے چہرۂ گلنار آج

جو مجھ سے ہنس کے بولے یار تو آج
بـــر آوے دل کـــی مـیـــرے آرزو آج

سودا

مرزا رفیع سودا کے حالات سے تذکرے مالا مال ہیں ' اس لئے اُن کو چھوڑکر ہم سودا کے غیر مطبوعہ کلام کی طرف توجہ کرتے ہیں - اِس بیاض میں سودا کا غیر مطبوعہ کلام بھی پایا جاتا ہے ' مگر ہجویّات کا حصہ زیادہ ہے - پھر ہجویّات میں مہذّب اور غیر مہذّب شایستہ و نا شایستہ ' سبھی قسم کی باتیں ہیں - بعض چیزوں سے ' جن کی اشاعت کی تہذیب اجازت نہیں دیتی ' قطعِ نظر کر کے ہم ایک سلام نقل کرتے ہیں ' جو سودا کے کسی مطبوعہ کلیات میں موجود نہیں ہے - ممکن ہے کہ کسی قدیم قلمی نسخے میں ہو -

الصلوۃ و السلام اے گلعذارِ مصطفیٰ
الصلوۃ و السلام اے نو بہارِ مصطفیٰ

الصلوۃ و السلام اے مخزنِ علم لَدُن
الصلوۃ و السلام اے نامدارِ لافتیٰ

الصلوۃ و السلام اے رہنمائے عارفیں
الصلوۃ و السلام اے بادشاہِ اتقیا

الصلوۃ و السلام اے اخترِ برجِ اسد
الصلوۃ و السلام اے مطلعِ شمس الضحیٰ

الصلوۃ و السلام اے کاشفِ آیت کلام(؟)
الصلوۃ و السلام اے واقفِ سرِّ خدا

الصلوۃ و السلام اے شاکرِ ظلم و ستم
الصلوۃ و السلام اے صابرِ درد و بلا

الصلوۃ و السلام اے صاحبِ جنّ و مَلَک
الصلوۃ و السلام اے مومنوں کے پیشوا

الصلوۃ و السلام اے قاسمِ نار و بہشت
الصلوۃ و السلام اے صاحبِ ارض و سما

الصلوۃ و السلام اے غمگسارِ اہلِ بیت
الصلوۃ و السلام اے شہ شہیدِ کربلا

الصلوۃ و السلام اے مفتیِ شرعِ نبی
الصلوۃ و السلام اے قاضیِ قدر و قضا

صلوٰۃ والسلام اے گوہرِ کانِ کرم　　الصلوٰۃ والسلام اے رہبرِ راہِ ہدیٰ

الصلوٰۃ و السلام اے لعلِ رخشانِ سخا

الصلوٰۃ و السلام اے شافعِ روزِ جزا

سیف

مرزا سیف علی مرحوم کا تخلص تھا - یہ ایک وجیہہ اور خوشرو
شخص تھے - طالب قلی خاں[۱] خواجہ سرا کے ندیموں اور مصاحبوں
میں تھے - اِن کا ایک مطلع تذکرۂ حکیم قدرت‌اللہ قاسم میں ملتا ہے -
اس میں ایک پوری غزل موجود ہے - جو زبان اور آمد کے لحاظ سے
بے مثل و لاجواب ہے -

کہا جو میں نے، اُسے یہاں دلِ حزیں تو نہیں
تو ہنس کے مجھ سے یہ کہنے لگا: کہیں تو نہیں

بھرا ہے کیا ہی ستاروں سے چرخ نے دامن
ہمارے داغوں کا، دیکھو، یہ خوشہ چیں تو نہیں

حرم سے دیر کو اب ہم چلے ہیں اے زاہد
جمالِ یار کا موقوف کچھ یہیں تو نہیں

صبا بتا، تو کہاں سے معطّر آئی ہے
کہیں یہ بوے خوشِ زلفِ عنبریں تو نہیں

اٹک اٹک کے عجب طرح سے وہ آتا ہے
اے سیف دیکھو، کہیں وقتِ واپسیں تو نہیں

---

[۱] طالب علی خاں — (ادارہ) —

شوق

حکیم مولوی قدرت اللہ شوق ساکن قصبہ موی ضلع سنبھل مرادآباد -
عالم و فاضل صاحبِ دیوان و تذکرہ تھے - اِن کا ایک شعر گلشنِ بےخار
میں اور دو شعر تذکرۂ نساخ میں نقل ہوئے ہیں - چنانچہ ایک شعر اُس
غزل کا بھی ہے جو ہم نے نقل کی ہے - بیاضِ موجودہ میں اِن کی دو غزلیں
ملتی ہیں - دونوں غزلیں اِن کی پختہ مشقی کا پتا دیتی ہیں
سنہ ۱۲۲۱ ھجری تک زندہ تھے - تاریخِ انتقال معلوم نہیں ہوسکی
لیکن یہ یقینی ہے کہ سنہ ۱۲۴۸ ھجری سے پیشتر انتقال کر چکے تھے

پھر عشق اختیار کیا ہم نے کیا کیا
آنکھوں کو اشکبار کیا ہم نے کیا کیا

آئے تھے جس گلی سے اٹھاکر کے اپنا بھیس
پھر اُس طرف گزار کیا ہم نے کیا کیا

وعدہ خلافیوں سے پری! اپنی ' تیں ہمیش
پامالِ انتظار کیا ہم نے کیا کیا

اُڑتی سنی تھی اُس کی زبانی کل ایک بات
کیوں اُس کو اشتہار کیا ہم نے کیا کیا

افشاے رازِ دل کی ہیں ساری خرابیاں
حال اپنا آشکار کیا ہم نے کیا کیا

وہ جام مے کہ جس کی تمنّا میں مرچلے
عبرت سے ناگوار کیا ہم نے کیا کیا

بارِ دگر محبت و الفت کو ہاے شوق
اپنے گلے کا ہار کیا ہم نے کیا کیا

کیوں ستاتا ہے تو اب اِتنا ستمگار مجھے
آہ کرنے کی بھی طاقت نہیں اے یار مجھے

دن کو آرام نہیں اور نہیں راتوں کو خواب
زندگی ہجر سے تیرے، ہوئی دشوار مجھے

خواب میں باتوں کا کھٹکا میں سنا تھا شب کو
شاید آیا تھا تو ہی کرنے کو بیدار مجھے

بسکہ دن رات ترا رکھتا ہوں دل بیچ خیال
گُل بھی لگتا ہے سدا، نظروں میں خونخوار مجھے

جب کبھی آنکھ اُٹھا مجھ پہ نظر کرتا ہے
قتل کرتی ہے، تری نرگسِ بیمار مجھے

حالتِ نزع کو پہنچا ہوں تری فرقت میں
اب تو بےرحم دکھا اپنا تو دیدار مجھے

بات کرنے کی ذرا مجھ میں نہیں اب طاقت
تیری دوری نے کیا صورتِ دیوار مجھے

کامیاب اور ہوں، اور ہم رہیں محروم مدام
زندگی ایسی تو پیارے، نہیں درکار مجھے

عاشق

عاشق تخلص کے متقدمین میں دو شاعر ہیں؛ ایک مہدی علی خاں، نواب علی مردان خاں کے نبیرے، مگر اُن کی زبان بہت صاف ہے، اس لیے کلامِ ذیل اُن کی طرف منسوب نہیں ہوسکتا۔ البتہ علی اعظم خاں جو مرزا کھسیٹا عشق نبیرۂ شاہ فرہاد، معاصرِ میر و سودا کے مرید تھے اور غالباً اُنہیں سے نسبتِ تلمذ رکھتے تھے۔ اُن کا یہ کلام ہو سکتا ہے۔

زبان میں وہی قدیم الفاظ اور وہی بندش موجود ہے - تذکروں میں صرف دو تین شعر موجود ہیں - لیکن ہم اُن کا کافی کلام پیش کرتے ہیں - کلام کے دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ اپنے زمانے کے زبردست مشّاق ہوں گے اور لوگ اُن کو صفِ اساتذہ میں جگہ دیتے ہوں گے -

یار تو مجھ سے ہوا ہے گا جدا جب سیتی
خواب و آرام مجھے بھول گیا تب سیتی

دردِ ہجراں نے کیا مجھ کو نہایت بیمار
داروے وصل عطا کر...شکر لب سیتی

دل کی دو بات کہوں تجھ سے ارے او ظالم
گر کہیں آوے مرے پاس کسی ڈھب سیتی

اَورسب تیری ادا مجھ کو لگیں ہیں پیاری
لیک بھاتا نہیں یہ ناز ترا سب سیتی

جاں میری، تونکل قالب(؟) گھرسے اوردیکھ
عاشقِ خستہ دل...در پہ کھڑا کب سیتی

یک بیک تم ہم سے چھوڑی آشنائی واہ وا
تم کو یوں ہی چاہیے اے جانِ میری واہ وا

قتل کر یا گالیاں دے، سب طرح راضی ہیں ہم
جو رضا ہووے تمہاری حق میں میری واہ وا

کُھب گئی دل میں ہمارے چَھب تری اے جامہ زیب
زور ہی دستی ہے تجھ کو نیک چولی واہ وا

ہوا ہوں اب میں بہت بیقرار عالم میں
نہیں ہے کچھ مجھے اب اعتبار عالم میں
کیے تھے دوست جو ہم نے ، ہوئے ہیں وے دشمن
رہوں نہ اب میں کبھی زینہار عالم میں
نہیں ہے کچھ مجھے پرواے حادثاتِ زماں
کیا ہے مجھ کو زبس سنگسار عالم میں
خدا تو کر، مری مشکل کو حل ، کہ اب میرا
نہیں رہا ہے کوئی یارِ غار عالم میں
اُٹھی ہے یہ مرے دل میں اُمنگ اے عاشق
کروں نہ اب میں کوئی دوستدار عالم میں

مدت ہے کہ پھرتے ہیں ترے عشق کے مارے
ٹک رحم تو کر ، اِس دلِ غمگین پہ بارے
ہم ہو گئے بسمل تری اِس بانکی نگہ کے
اک اور نگہ بھر کے کرو ، کام ہوں سارے
لب لعل ترے ہیں کہ گویا مصری کی ڈلیاں
بُت ہند ہیں شرمندہ ترے لعل سے سارے
ویرانہ ہوا خانۂ دل تیرے سبب سے
خوش آتا نہیں کچھ مجھے ، جز نام تمھارے
اِس مارنے میرے سے نہیں ہے تجھے کچھ سُود
ناحق تو قتل کرتا ہے اے یار ہمارے
آ لگ تو مری چھاتی سے اے کافرِ بے رحم
یہ بات مری مان ، خدا واسطے پیارے

گزرے ہے شب و روز مجھے یاد میں تیری
یک آن دکھا ، آن کے عاشق کو پیارے

دن رات مجھے تیرا ہی یہاں دھیان ہے ظالم
یہ دل مرا تجھ عشق سے ویران ہے ظالم
کیا خوب سجی ہے گی ترے سر پہ بسنتی
سب ہند کے خوباں کا تو سلطان ہے ظالم
لکھتا[۱] ہے گلے غیروں کے تو روبرو میرے
ان باتوں سے سر پر میرے سندان ہے ظالم
جس وقت کہ پہلو سے مرے اٹھ کے چلے تو
گویا کہ اُسی دم مجھے خفقان ہے ظالم
کرتا ہے عبث مجھ کو خفا روز پیارے
عاشق کوئی دن کا ترا مہمان ہے ظالم

لکھ لکھ خراب ، مَیں ہوا خط تجھ کو ، پر صنم
تونے جواب کچھ نہ لکھا حیف کیا ستم

گردشِ عشق میں ، مَیں پھرتا ہوں مارا مارا
دل شب و روز یہی کہتا ہے باز آ باز آ

اے صنم کرتے ہو کیوں مجھ پہ جفا سچ کہو
کس کے کہنے سے ہوئے مجھ پہ خفا سچ کہو
اب جو آتا نہیں تو پاس مرے اے دلبر
کون سے یار سے اب جاکے ملا سچ کہو

---

[۱] - لگنا (؟) - (ادارہ) -

غیر سے ملنا تجھے، مجھ سے دکھائی کرنی

کون سی کی ہے کجی تقصیر، ذرا سچ کہیو

عشق تیرے نے کیا مجھ کو نہایت پامال

کچھ بھی تجھ دل میں ہے اے جانِ وفا سچ کہیو

میں جو بیمار ہوں اب درد و غمِ ہجراں سے

کیوں نہیں کرتا ہے تو میری دوا سچ کہیو

آہ میری سے ہوئی نرم کمانِ افلاک

تجھ میں بھی ہوگا اثر، سنگدلا سچ کہیو

غیر غم غصے کے کچھ اور بھی پایا عاشق

عشقِ خوبانِ جہاں کر کے بھلا سچ کہیو

——

میں تو جانا تھا کہ کچھ ہوگی وفا تجھ میں میاں

لیک دیکھا تو نہیں تجھ میں سوا جور و جفا

——

ساقی! شراب ناب ہو یوں چاہتا ہے دل

اور سیرِ ماہتاب ہو، یوں چاہتا ہے دل

اِس چاندنی و نورِ سراپا کے بیچ میں

معشوقِ بے حجاب ہو یوں چاہتا ہے دل

اِس ابرِ نو بہار کے اندر بجام و عیش

تو بَر میں اور شراب ہو یوں چاہتا ہے دل

سب دوست آشنا سے قطع کر کے دوستی

تجھ عشق میں کباب ہو یوں چاہتا ہے دل

نیز عاشقِ نزار ترا وصل سے صنم

دن رات کامیاب ہو یوں چاہتا ہے دل

——

عشق

شاہ رکن الدین نام ، گھسیٹا عرف تھا اور شاہ فرہاد کے نواسے تھے ۔ دہلی کے قدیم باشندے تھے ، محلہ مغل پورے میں مکان تھا ۔ پھر مرشد آباد چلے گئے تھے اور وہیں عزت و حرمت سے بسر کرتے تھے اور آخر میں فقیر ہو گئے تھے ۔ مصحفی نے اُن کا اچھا خاصا ذخیرۂ کلام نقل کیا ہے اور تذکرۂ قاسم میں بھی دس گیارہ شعر نقل کیے ہیں ۔ ایک غزل بیاض میں ہے جو اِن دونوں تذکروں میں نہیں ہے ۔

قتلِ عشّاق کا م ہے تیرا — اور مسیحا بھی نام ہے تیرا
کوھکن سر کو کیوں نہ اب چیرے — شیریں شیریں کلام ہے تیرا
کب ہے واقف تو رات دن سے صنم — زلف و رخ ، صبح و شام ہے تیرا
خال و خط سے نکل سکوں کیونکر — زور ہے دانہ ، دام ہے تیرا
جان جب تجھ کو دوں تو فارغ ہوں — سر مرے دھر ، یہ وام ہے تیرا

بندگی عشقؔ کی نہیں منظور
بے درم یہ غلام ہے تیرا

فدوی

سید فضل علی نام تھا ، دہلی کے رہنے والے تھے ۔ مگر نہ معلوم کن مجبوریوں سے ترکِ وطن کر کے غربت اختیار کی اور مرشد آباد میں جا رہے ۔ اِن کے کلام میں نہایت پختگی ہے ۔ اِن کا ایک شعر تذکرۂ گلشنِ بیخار میں ، اور پانچ شعر حکیم قدرت اللہ قاسم نے اپنے تذکرے میں اور ایک شعر اِنہیں میں کا نساخ نے اپنے تذکرے میں دیا ہے ۔ ایک غزل جو بیاضِ موجودہ میں بھی ملتی ہے اُس کا مطلع حکیم صاحب نے بھی لکھا ہے ۔

مگر اِس پوری غزل کے علاوہ بھی اِس بیاض میں اُن کا کافی کلام موجود ھے جس کو ہم نقل کرتے ھیں -

اب جو رکھتا ھے ھم کو بھلا کر
قول اپنا تو یاد ' بھلا کر
ہم تو فدوی ھیں ' کچھ بھی کر ظالم
اب کہاں جائیں تیرے کھلا کر
وھی جانے ھے رنج و راحتِ عشق
دل میں رکھتا ھے جو جراحتِ عشق
تجھ سے گر پوچھے کوئی کیوں مارا
کہو جلّاد تو کہ بابتِ عشق
وصل میں ھم نے یہ نہیں دیکھی
ھجر میں ھے جو کچھ لطافتِ عشق
ھم کو تن‌زیب رنگِ صحرا ھے
فیس یہ دے گیا ھے ' خلعتِ عشق
دل تو اُٹھے ھے پر ھزار افسوس
چھین لی ھے فلک نے فرصتِ عشق
ورقِ گُل پہ کر رقم فدوی
تیرے ھر شعر میں ھے نکہتِ عشق
اِس کو کچھ اَور مت سمجھنا تو
ھے سراسر یہ فیضِ حضرتِ عشق

ارے دل تجھے کیا بلا ھو گیا   کسے دیکھ تو مبتلا ھو گیا
مقابل ترے تیرِ مژگاں کے ھے   قیامت یہ دل مَن چلا ھو گیا

ہمیشہ سے وعدہ خلافی ہے اب حیا کا تجھے ارتا (؟) ہو گیا
مرا دل جو تونے جلایا ستمگر ترا اِس میں کیا کچھ بھلا ہو گیا

اب کہاں جائیں تیرے مائل ہو کچھ تو دل میں سمجھ کے قائل ہو

غصہ کیوں میری جان ! کھائے ہے میں نہ دیکھوں ' تو پان کھائے ہے

حق نہ رکھّے دور یارو ' یار کے تئیں یار سے
کوئی مرض مہلک نہیں' دنیا میں اِس آزار سے

کوئی اِس طرح کا یارِ طرحدار ہو نہ ہو
پھر مجھ سا اور کوئی گرفتار ہو نہ ہو
اپنا تو کام وعدوں میں تیرے ہی ہو چکا
قاتل اب ہاتھ میں ترے تلوار ہو نہ ہو

کس پر پڑی تھی جا کے ' یہ کافر نگاہ آہ
جاے سخن جو نکلے ہے اب منھ سے آہ آہ
فدوی اِس عاشقی کا عجب کچھ خیال ہے
کرتے ہیں قتل بات میں یاں بے گناہ آہ

رہیں کب تک ترے ملنے کے دَم میں
چلے اے یار ہم ' اَب کوئی دَم میں
ہوئے یاں تک ترے کوچے میں پامال
کہ اب طاقت نہیں اُٹھنے کی ہم میں

صحبت تری مدام ہو یوں چاہتا ہے دل
تو پاس صبح و شام ہو یوں چاہتا ہے دل

سیرِ چمن ہو، ابر ہو، مینا ہو، ساقیا

لبریز مے سے جام ہو یوں چاہتا ہے دل

مر جائیے بلا سے، پہ میدانِ عشق میں

اِس معرکے میں نام ہو یوں چاہتا ہے دل

محفل میں تیری غیر نہ پاویں جگہ کہیں

اپنا ہی انتظام ہو یوں چاہتا ہے دل

یہ عینِ آرزو ہے کہ قدری اب آنکھوں میں

اُس کا کہیں مقام ہو یوں چاہتا ہے دل

اسیر و بیکس...[۱] بیدل جو کچھ کہو ہم ہیں

جفا و جور کے قابل جو کچھ کہو ہم ہیں

خدا کے واسطے غیروں کا نام کیوں لو ہو

تمہارے والہ و مائل جو کچھ کہو ہم ہیں

نگاہ و خنجرِ مژگاں و تیغِ ابرو کے

شہید...[۲] کشتہ و بسمل جو کچھ کہو ہم ہیں

یار! قول و قرار تا بہ کجا — ہو چکا انتظار تا بہ کجا

مر گئے تیرے صبح و شام سے ہم — اے تغافل شعار تا بہ کجا

شبِ ہجراں مَیں آ دکی، دیکھو — پہنچی بن کر شرار تا بہ کجا

جو کہ پیمان گسل ہو دل، اُس کا — کریں ہم اعتبار تا بہ کجا

وہ تو پتھر ہے، کب پسیجے ہے — روئیے زار زار تا بہ کجا

دل چھین کے، پوچھو ہو، کیا کس کے حوالے

اچھّے ہو مری جان، خدا کام نہ ڈالے

---

[۱]—ر - (زار) -

[۲]—ر - (دارد) -

دل رازِ تعشّق کو چھپاتا ھے، بھلا ھے
یہ بات ھے ایسی جو کوئی مُنھ سے نکالے

بے وجہ نگاھوں کے برستے ھیں یہاں تیر
بہتے نظر آتے ھیں مجھے خون کے نالے

کیا پوچھے ھے، فدوی مرے سے بات تو اُس کی
اللہ نہ ڈالے کسی بے رحم کے پالے

بیڑا جو کل اک دستِ مبارک سے میں چاھا
کہنے لگا، کیا ھاتھ نہیں تیرے، اُٹھالے

جو مرا آزار ھی مطلوب تھا
ایسے ملنے سے نہ ملنا خوب تھا

بچ گئی، ورنہ شبِ ھجراں میں، جان!
زندگی کا کون سا اسلوب تھا

شوق اُس کے دل کا، گالی دے تو دے
تجھ کو کیا ناصح، مرا محبوب تھا

روبرو آئینہ‌رو کے، آئینہ
ھم نے جو دیکھا تو حد محجوب تھا

ابر کیا جانے مرے رونے کے تئیں
فدوی، واقف اُس سے کچھ یعقوب تھا

آج بے اختیار ھے گا دل
بے طرح بےقرار ھے گا دل

گرچہ شبِ چھاردھم کا یہ چاند ھے
تیری ضیاے حسن کے آگے یہ ماند ھے

دل نہ بھول اُس کی آشنائی پر
جو کمر باندھے بےوفائی پر

جان یہ جاے یار ھے عاشق
کوئی چوکے ھے اپنی آئی پر

میکشوں کا خدا نہیں؟ زاھد
غرّہ کرتا ھے پارسائی پر

ھاتھ لگتی ھے یہ بہار کہیں
ھے جو تیرے کفِ حنائی پر

اِن تلوں تیل ھی نہ تھا گویا
ایسا آوے ھے تو رُکھائی پر

دوستی اپنی کیوں چھپاتی ہے یہ تو معلوم ہے خدائی پر

قدوی افسوس آوے ہے رہ رہ

آہ و نالے کی نارسائی پر

دیکھا نہ پھر، چمن کا کبھی، لالہ زار حیف

قیدِ قفس میں مرگئی بلبل، ہزار حیف

کیا جانے کیا کریگی جگرکی تپش ہمیں

نکلا نہ ایک دن بھی یہ دل سے بخار حیف

جس اہلِ درد نے مرا احوالِ دل سنا

وہ منہہ سے بول اُٹھا وہیں بےاختیار حیف

اُس کو تو کچھہ خبر نہیں مطلق...کیا ہوا

رویا میں ساری رات، عبث زار زار حیف

رنجیدہ مجھہ سے ایسا ہوا قدوی وہ کہ پھر

آیا نہ میرے پاس کبھی ایک بار حیف

جب مرے گھر تو آن نکلے ہے جی کا ارمان جان ! نکلے ہے

گھر سے کب بد گمان نکلے ہے گاہ بے گاہ آن نکلے ہے

میرے ہی دل جلانے کو، تیری شمع ساں یہ زبان نکلے ہے

آہ ہم جس کو دوست سمجھے ہیں وہی دشمن ندان نکلے ہے

خمِ ابرو کا تیرے شہرہ سُن آسماں پر کمان نکلے ہے

جب میں کہتا ہوں کچھہ، بھی اُس کی

قدوی منہہ سے ہر آن نکلے ہے

فیض

میر فیض علی نام، فیض تخلص، میر محمد تقی میر کے صاحبزادے تھے - شعر و سخن کا ذوق بطورِ ورثہ پایا تھا، بلکہ مصحفی کے تذکرے میں تو یہاں تک لکھا ھے کہ باپ ھی کی طرح عُجب و غرور رکھتے تھے - میر صاحب نے ایک کتاب "فیضِ میر" اِنھیں کے نام پر تالیف کی تھی - مصحفی نے اِن کی تین غزلیں نقل کی ھیں - تذکرۂ قدرت میں سات شعر ھیں - ھم چار شعر بالکل نئے نقل کرتے ھیں -

رات اُس کے آگے اپنا دکھ، جو میں رونے لگا
گالیاں دینے لگا، پر جی میں خوش ھونے لگا

تھا کس کے دل کو کشمکشِ عشق کا دماغ
یارب بُرا ھو دیدۂ خانہ‌خراب کا

یارو خدا کے واسطے کوئی کہدے یار سے
پہنچی ھے لب پہ، جان مری انتظار سے
تجھ‌بن مجھے تڑپتے ھی گزرے ھے رات دن
جاتا رہا ھے صبر، دلِ بے قرار سے

قدر

نام معلوم نہیں، محمد شاہ بادشاہ کے معاصر تھے - رندانہ وضع رکھتے تھے، بلکہ میر تقی مرحوم نے تو اپنے تذکرے میں یہاں تک لکھا ھے کہ قیدِ مذھب و ملت سے آزاد تھے - میر تقی "میر"، فتح علی خاں حسینی اور لچھمی نرائن شفیق نے اُن کا ایک شعر اور میر حسن نے اپنے تذکرے میں دو شعر نقل کیے ھیں - مگر ھم بیاض سے پوری ایک غزل نقل کرتے ھیں -

عبث اے بلبلِ نالاں تو توبہ‌ـو‌اتی ھے
خزاں گزرتی ھے ' دم لے ' بہار آتی ھے

اور ایک ھم ھیں کہ فرقت میں شمع رو کی اگن
مجھے یہ سر ستی لے ' پانو تک جلاتی ھے

گیا وہ راحتِ جاں' جب سے' میری نظروں سے
نہ چین دن کو ھے ' نے شب کو نیند آتی ھے

بغیر تیرے اے ساقی اُمنڈ' یہ غم کی گھٹا
مجھے جلاتی ھے ' خونِ جگر پلاتی ھے

آلٰہی فضل تو رکھیو کہ آج قاتل پاس
قضا قدر کے تلیں ' کھینچ کے لے جاتی ھے

قرین

نام معلوم نہیں' مرزا جعفر علی حسرت کے شاگرد تھے - کشمیری الاصل تھے - میر حسن نے اپنے گھر کے مشاعرے میں ایک مرتبہ اِن کو دیکھا تھا - چنانچہ تذکرے میں اِس کا ذکر کیا ھے' اور اِن کے تین شعر بھی نقل کیے ھیں - اُس وقت یہ نومشق تھے - اِن تین شعروں میں سے ایک شعر تذکرۂ سخن میں بھی درج ھے - بیاضِ موجودہ میں اِن کے بہت سے اشعار ملتے ھیں - اُن کے دیکھنے سے اِن کی مشق کا پتا چلتا ھے -

نہ تھا گر دلبری سے تجھ کو ظالم مدّعا اِتنا
عبث پھر کیوں دلِ عشّاق کو مائل کیا اِتنا

تو پوچھ پوچھ کے ناصح نہ کر خفا ھم کو
بُرے کی جان کو روتے ھیں' مت ستا ھم کو

کبھی پوچھا نہ میاں، تم نے گرفتار کا حال
اِس قدر ہائے ؛ بھلایا ہے دلِ زار کا حال
اشکِ خونی سے بھا ؛ بالِ کبوتر کی طرح
کیا ہے لازم کہ لکھوں ایسے گرفتار کا حال

مجھ کو کسی ہوس کی، جہاں میں ہوس نہیں
ایک اُس کا دیکھنا ؛ سو وہاں دسترس نہیں
ناصح تو آہ و نالہ سے کرتا ہے مجھ کو منع
میں کیا کروں کہ اِس میں مرا کچھ بھی بس نہیں

کیا کہیں یارو ؛ حقیقت اُس بتِ عیّار کی
لے گیا ہے کس طرح دل ؛ کر کے باتیں پیار کی
مت سنا اے شیخ ؛ باتیں تو ہمیں اقرار کی
ہم کسو کی بات نہیں سنتے مگر دلدار کی
دیکھ کر یہ دردِ بےدرماں لگا کہنے طبیب
موت ہی بہتر ہے یارو ؛ اب تو اِس بیمار کی
آگے ہی ہم نیم جاں ہیں، غم سے تیرے اے میاں
پس تو کیا دہشت دکھاتا ہے ہمیں تلوار کی
کیونکہ جاکر اُس ستمگر سے کہوں میں حالِ دل
مجھ کو اُس کے سامنے طاقت نہیں گفتار کی
سامنے میرے تو اے ابر ؛ اِس قدر مت لاف کر
کیا جھڑی دیکھی نہیں ؛ اِس دیدۂ خونبار کی

پھر نظر دیکھا جسے ، وہ مرگیا یارو وہیں
کیا نگہ ظالم ہے دیکھو قاتلِ خونخوار کی
ہیں قمریں کے دل میں لاکھوں داغ تیرے عشق کے
ٹک تو کر لے سیر تو اب ، سیر اِس گلزار کی

مرزا جیو

مرزا ، قدما میں دو تین آدمیوں کا تخلص تھا - مگر مرزا جیو کسی تذکرے میں نہیں مل سکا - ممکن ہے کہ اہلِ تذکرہ نے صرف مرزا لکھا ہو- بہر حال میرے نزدیک اگر یہ غزلیں ہو سکتی ہیں تو مرزا صادق علی خاں مرحوم دہلوی شاگردِ مرزا رفیع سودا کی ، جن کے تین شعر تذکرۂ حکیم قدرت‌اللہ قاسم میں درج ہیں اور دو شعر تذکرۂ نساخ میں ہیں - زبان صاف و شیریں ، کلام میں زور اور روانی سبھی کچھ موجود ہے - دو غزلوں کے دو دو شعر اور ایک مکمل غزل بیاضِ موجودہ سے دستیاب ہو سکی ، جو درج ہے -

مجھ کو یاروں نے ، بد و نیک ، کہا کیا کیا کچھ
دیکھ تو ، دکھ تری خاطر ، مَیں سہا کیا کیا کچھ
ساغر و بادۂ و دامانِ گل و دستِ نگار
ہاتھ سے میرے ، یہ یک بار گیا کیا کیا کچھ
نشّے کے بیچ میں تھا ، یہ مجھے معلوم نہیں
رات مجھسے تری خدمت میں ہوا کیا کیا کچھ
اب تو مفلس ہیں ، ازیں پیش غم و درد و الم
دولتِ عشق سے ، ہم پاس بھی تھا کیا کیا کچھ

رلتا پھرتا ہے مرا کاسۂ سر خاک کے بیچ
دیکھیے، ہے مرے طالع میں لکھا کیا کیا کچھ
دیدۂ فرق سے ٹک دیکھ، کہ ایک اک پَل میں
رنگ بدلے ہے، زمانے کی ہوا کیا کیا کچھ
یاں تو جو ہم پہ ہوا، سو تو سبھوں نے دیکھا
دیکھیے اور ابھی ہو، روزِ جزا کیا کیا کچھ
کان دھر کر تُو زرا، مرزا جیو اک بار تو سن
آئے ہے دل کے دھڑکنے کی صدا کیا کیا کچھ

لیتے ہی بوسہ ہو گئے بیزار کس لیے
تم کو کیا تھا اور بھلا، یار کس لیے
مرزا جیو! اب تو یار تجھے پوچھتے نہیں
جاتا ہے دوڑ دوڑ تو ہر بار کس لیے

تھا صنم دَیر میں، اب دیر ہوا بیت اللہ
کفر و اسلام میں کیا بحث ہے اللہ اللہ
ہم نہ کچھ دیر سمجھتے تھے، نہ کچھ بیت اللہ
طالبِ جلوۂ معشوق ہیں اللہ اللہ

مقتول

مرزا ابراہیم بیگ نام، صفاہانی الاصل تھے، مگر بزرگ ترکِ وطن کو کے دلّی میں آرہے تھے اور شاہی دفتروں میں منشی گیری کے عہدوں پر ممتاز تھے - خود مقتول بھی نثر و انشا میں کافی ماہر تھے اور

اپنے زمانے کے بڑے نقادوں میں تھے - مصحفی کے شاگرد تھے - مصحفی کے تذکرے کی تصنیف کے وقت اِن کی عمر تیس برس کی تھی - اِس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ سنہ ۱۱۸۹ھ میں پیدا ہوئے ہوں گے [۱] - بیاضِ موجودہ میں ایک غزل موجود ہے جس کے چار شعر مصحفی نے بھی اپنے تذکرے میں نقل کئے ہیں ' لیکن یہ دو شعر اُن کے یہاں نہیں ہیں -

تشبیہ کیونکہ دوں لبِ شیرینِ یار سے
هرگز مناسبت نہیں قند و نبات کو
دیواں مرا نہ پہنچے اگر دوستاں تلک
تعویذ کر رکھیں وہ مری غزلیات کو

مصحفی نے یہ مقطع لکھا ہے :—

مقتول' مصحفی سے ہوا ہے مجھے یہ' فیض
حق دیرگاہ جگ میں رکھے اُس کی ذات کو

لیکن بیاض میں اِس کی جگہ یہ مقطع ہے :—

مقتول عرضِ حال کر اپنا علی ستی
کر دیں گے حل' وہ دم میں' تری مشکلات کو

میر تقی میر

میر کی سوانح عمری لکھنا یا اُن کے کلام پر تبصرہ کرنا اس واسطے منظور نہیں کہ یہ چیز کم و بیش ہر تذکرے میں مل سکتی ہے - یہاں ہم صرف دو غزلیں اور ایک ترجیع بند پیش کرنا چاہتے ہیں ' جو غیر مطبوعہ ہیں - کلکتے کے نسخے فورٹ ولیم کے چھپے ہوئے یا نولکشوری نسخے ہی میں نہیں' بلکہ اکثر قلمی نسخوں میں بھی یہ چیز موجود نہیں ہے - ترجیع بند کے چند شعر ضرور مطبوعہ ہیں مگر دیکھنے سے پتا چلتا ہے

---

[۱] تقریباً سنہ ۱۱۷۰ھ میں - تذکرۂ مصحفی سنہ ۱۲۰۱ھ سے پہلے شروع ہوا - اُس وقت اِن کی عمر ۳۰ سے متجاوز تھی - (ادارہ) -

کہ اتنی مکمل چیز کسقدر نا تمام حالت میں طبع ہوئی ہے - بہر حال ذیل میں اول غزلیں اور بعد کو ترجیعِ بند پیش کیا جاتا ہے- میرے پاس ایک قدیم بیاض میں یہ چیزیں موجود ہیں اور ایک بہت قدیم نسخے میں دیکھکر میں نے اطمینان بھی کر لیا ہے کہ یہ کلام میر تقی میر ہي کا ہے اور اِس میں کسی شک و شبہہ کی گنجائش نہیں ہے -

غزلیات

(۱)

گِرد سر پھرکے کرتے پھروں باس
سو تو ہم لوگ اُس کے آس نہ پاس

خط یہ خط بھیجتا تھا لکھواکر
جب تلک یار تھا نہ حرف شناس

دل نہ باہم ملے تو ھجراں ہے
ہم وے رہتے ہیں گو کہ پاس ہی پاس

عرش و دل میں رہے مگر برسوں
وہم ہے پر کہیں ' کہیں ہے قیاس

ہے چلا جب سے وہ پریشاں ربط
جمع اک دم رہے نہ میرے حواس

نا امیدی بھی حدّ رکھتی ہے
جیتا [۱] کب تک رہے گا کوئی ھراس

جز خدا ہم کسی سے ڈرتے نہیں
گھر ہمارا وہاں ' جہاں نہ ھراس

میں تو حیرانِ کار ہوں بےھوش
کیونکہ نکلے گی میرے دل کی بھڑاس

[۱]—نسخہ :— جی پہ -

مہرِ وحشی کا دل ہے بے طاقت
چلتا پھرتا ہے، پھر اُداس اداس

رہے عمر بھر دیکھتے سادگاں کو
یہ جھلے نہیں دیتے دل‌دادگاں کو
خبر قاصدوں کو نہیں اپنی شاید
بہت دور بھیجا، فرستادگاں کو
عجب سادگاں میں ہے قشقوں کی خوبی
نہ ہو عُجب کیوں برہمن‌زادگاں کو
نہال اور سرو اُس کے حیراں کھڑے ہیں
کیا پابہ‌گِل اُن نے آزادگاں کو
رہے زیرِ دیوار ہم مہر برسوں
نہ پوچھا کبھی، خاک افتادگاں کو

ترجیعِ بند در منقبت

قابلِ سجدہ ہے علی کا در
بابِ تعظیم ہے علی کا گھر
ہے علی ہی امامِ موجودات
ہے علی افتخارِ نوعِ بشر
فرشِ رہ، عرش ہو نہیں سکتا
منزلت ہے علی کی بالاتر
منبعِ لطف و مظہرِ احساں
مصدرِ صد ہزار فضل و ہنر
تھا پر آشوب جن کے شور سے دھر
کر دیے خاکوں میں اُنہیں کے سر
قدرت اُس کی خدا کی قدرت ہے
زور اچنبھا، عجیب زور آور
اعتقاد اپنے کو چُھپایا ہے
یہ جو کہتے ہیں پاسِ ظاہر کر

هم علی کو خدا نہیں جانا
پر خدا سے جدا نہیں جانا

ہے علی جملہ عزّت و اعزاز — جان بھی اپنی ہے علی کی نیاز
غم شریکِ محمدِ عربی — حرمتِ کعبہ، آبروے حجاز
خاکِ دروازۂ علی رہیے — ہوویں، یاور جو طالعِ ناساز
رُو علی کی طرف کو رکھ اِس میں — درِ فردوس منہ پہ ہوگا باز
ہو سکے تو علی پرستی کر — تو ہو اسلامیوں میں تو ممتاز
ہے علی وہ کہ چرخ و ماہ و مہر — اُس کی قدرت پہ سب کریں ہیں ناز
محوِ یادِ علی ہیں جو، اُن کو — نے سرِ سجدہ، نے دماغِ نماز
ہے علی سے علی طلب شب و روز — دوستی کشتگانِ قلب گداز
قبلہ کعبہ خدا رسول علی — گفتگو شوق کی بہت ہے دراز

ہم علی کو خدا نہیں جانا
پر خدا سے جدا نہیں جانا

ہے علی جانشیں پیمبر کا — زیبِ مسجد ہے، حسنِ منبر کا
زورِ بازو سے اُس کے کیا کہیے — ہے زباں زد، فسانہ خیبر کا
کر گیا گم، بڑے بڑوں کے حواس — چیرنا، کودکی میں، اژدر کا
جذبِ خورشید کس طرح سے کیا — وقت کم تھا نمازِ دیگر کا
سر کشانِ جہاں نے جھاڑے کان — سن کے احوال عمر و عنتر کا
تیغ اُس کی تھی برقِ ابرِ بہار — کٹ گیا جس سے زنگ اکثر کا
بارشِ ابرِ لطف سے اُس کے — رفع کیا ہو، غبار دل پر کا
کیا ہمارا شعور جو سمجھیں — مرتبہ اُس سبھوں سے برتر کا
عقلِ کل پر بھی، کرنا مشکل ہے — فرق، ظاہر سے ایسے مظہر کا

ہم علی کو خدا نہیں جانا
پر خدا سے جدا نہیں جانا

ذاتِ پاک اُس کی ہے، خدا کی ذات　　جمعِ واجب کے، اُسمیں، سب ہیں صفات

علم و قدرت نہ بابتِ مذکور　　دم زدن یہ، نہ جڑے حلم و ثبات

وہ نہ ہوتا سبب، تو پھر کیا تھا　　کیسے تم ہم، کہاں کی موجودات

نہ تو دس عقل و نہ فلک ہوتے　　نہ ستارے نمود کرتے سات

حال روشن، نہ روز کا ہوتا　　رہتی، تاریکیِ عدم سے، رات

اُس کے مَقدم سے نور ہے، ورنہ　　سوجھتا کس کو، ہاتھ سے پھر ہات

وہ مُقَدم سبھوں کا، وہ سب کچھ　　یہی کہنے کی ایک ہے گی بات

هم علی کو خدا نہیں جانا

پر خدا سے جدا نہیں جانا

ہے مُسبّب کہیں، کہیں ہے سبب　　ہے وہی، لطفِ بےنہایت آب

ہے علی قابلِ پرستیدن　　ہے علی مظہرِ ہزار عجب

عشق ہے، ہم جو لیتے ہیں یوں نام　　ورنہ سجدہ بھی یاں ہے، ترکِ ادب

دمِ الطاف، سبز روے زمیں　　جگرِ چرخ چاک، وقتِ غضب

داب یکبارگی لیے دشمن　　دب کیا تونے، جس گھڑی مرکب

تو بتا پائے، خاکِ میداں پر　　استخوانِ مزار کا مطلب

بارہا اے سوارِ شائستہ　　ابلقِ چرخ تجھ سے نکلا دب

تو ہے بندہ، تو اے مرے معبود　　پر خدا کے سے ہیں، ترے سب ڈھب

ہے تنّن کے طور پر، یہ شعر　　آشنا اپنے لب سے، روز و شب

هم علی کو خدا نہیں جانا

پر خدا سے جدا نہیں جانا

ہے علی حامی و مقوّمِ دین — ہے علی پیشوائے اہلِ یقین
ہے علی برگزیدۂ عالم — ہے علی اشرفِ زماں و زمین
اُس کی ہمت سے اِس گلستاں میں — جیسے شبنم، پڑے ہیں دُرِّ ثمین
اُس کی جرأت سے قشعریرہ[۱] ہے — اُن کو، جو ہیں کے شیر بیشۂ کین
خوبی اُن کی کہاں تلک کہیے — خوب جانیں جسے، رسولِ امین
اللہ اللہ رے، تیری عزت و قدر — مجلسِ انبیا کا صدر نشین
جیتے جیتے ہمارے قلب پر، اب — نام اُس کا ہے جیسے نقشِ نگین
کبریا اُس کی ہے ورائے قیاس — وہم اپنا گیا، کہیں سے کہیں
ما نو یہ بات اُس کی قدرت سے — نہیں بالقوہ آدمی کا نہیں(؟)

ہم علی کو خدا نہیں جانا
پر خدا سے جدا نہیں جانا

سجدہ کرنے کے ہے علی قابل — قبلہ اپنا ہے اُس طرف مائل
مرگ ہے مصلحت سے دشمن کو — بے وِلا اُس کے، زیست کیا حاصل
تیری ہمت قبول یہ نہ کرے — کہ مکرّر ہلے لبِ سائل
اصل مطلب کی دوستی تیری — راہِ مطلوب کو ہے یہ واصل
دستِ بخشش، سحابِ بارندہ — کفِ ہمت محیطِ بے ساحل
سیر کر مجمعِ کمال تجھے — دیکھ کر تیری قدرتِ کامل
طفل[۲] برنا و پیر، سارے مُقر — عقل و ادراک و فہم، سب قائل
یہ عقیدہ نہیں ہے اپنا ہی — کہتے ہیں سارے بالغ و عاقل

ہم علی کو خدا نہیں جانا
پر خدا سے جدا نہیں جانا

---

[۱]—جسم کے بال کھڑے ہو جانا ، (ادارہ) - [۲]—و ، (ادارہ) -

ہے وہی سایہ گسترِ دو جہاں　　دیوے خورشیدِ حشر سے وہ اماں

صورتِ ظاہرِ علی پہ نہ جا　　ہے علی، خلوتیِ رازِ نہاں

وہ علی کی ہے ذاتِ پاک، جسے　　جپتے رہتے ہیں، اہلِ عالمِ جاں

— —

اِس کے بعد اِس بند کے چھے شعر، اور چار بند نسخۂ مطبوعۂ فورٹ ولیم کلکتہ اور مطبوعۂ کشوری میں موجود نہیں - لہذا اُن کو نہیں لکھا گیا -

— —

نقی

افسوس کہ باوجودِ تلاش اِن کا حال تذکروں سے معلوم نہ ہو سکا - مگر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت پختہ مشق اور خوشگو تھے - بیاضِ موجودہ سے اِن کی صرف ایک غزل دستیاب ہوئی - اندازِ کلام مصحفی و انشا کے زمانے کا ہے -

بعید ہے یہ سخن ساقی، ترے احسانِ عالی سے
　　کہ ہم پٹکا کریں سر اِس طرح، مینائے خالی سے

قدم کس گلبدن نے رکھا ہے دامانِ مسند پر
　　کہ بوئے ناز آتی ہے چلی، ہر نقشِ قالی سے

عجب کیا، رشتۂ الفت کو قمری سرو کے توڑے
　　چمن میں آج آتا ہے وہ، ایسی سج نرالی سے

جو مرتا ہوں، تو کاہے کو اُٹھاتا ناز، مرہم کا
　　ہے اِن زخموں کا شکوہ، تیری تیغِ پرتگالی سے

نقی اُس کے جھڑک کے بولنے سے، مت ہو دل خستہ
　　کہ اُس کی خو، یہی تو پڑی ہے، خورد سالی سے

— —

واحد

میر جعفراللہ نام تھا ' واحد تخلص ' سید تھے - غالباً دہلوی تھے اور اپنے سلسلۂ معاش کی وجہ سے حیدرآباد میں رہتے تھے - لچھمی نرائن شفیق کے خاص دوستوں میں تھے - نہایت خوشگو اور مشّاق تھے - تذکرۂ لچھمی نرائن شفیق میں چار شعر اُن کے نقل کیے ہیں - بیاضِ موجودہ میں اُن کی دو غزلیں موجود ہیں - جو نہایت صاف و شستہ ہیں اور مشّاقی و پر گوئی کا پتا دیتی ہیں -

عشق میں راحت ہو یا آزار ' ہونا ہو سو ہو
کیا کریں اب ہم بھی ہیں ناچار' ہونا ہو سو ہو

عشق کے دریا میں ڈوبے ہم تو یارو' جان بوجھ
موج ہو یا غرق ہو یا پار ہونا ہو سو ہو

جس کو جی چاہے' پھر اُس کو جو بنے' تو خوب دیکھ
اِس میں گر رسوائی ہو اور خوار ہونا ہو سو ہو

کر گریباں چاک واحد ' چل بیاباں کی طرف
دیکھ لے یہ بھی مزا اک بار ' ہونا ہو سو ہو

دل خفا ہے شہر سے ' سیرِ بیاباں کیجیے
مُو پریشاں کیجیے ' گیسو پریشاں کیجیے

دل تو اپنا دے چکے' اب جان بھی کیجیے نثار
جی میں آتا ہے کہ خوباں کو پشیماں کیجیے

دل کی آتش' اشک کے پانی سے' بجھ جائے اگر
روئیے واں تک' خدا کی سوں' کہ طوفاں کیجیے

واقف

شاہ واقف شاہ جہاں آباد قدیم کے باشندے تھے - میر حسن اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ ابتدائے عمر میں اِن کا کلام نہایت صاف ہوتا تھا - رفتہ رفتہ جب اِن کی قوتِ فکر نے ترقی کی تو طبیعت دقت پسندی کی طرف مائل ہوگئی، اور اب اِن کا کلام ہم لوگوں کی سمجھ میں مشکل سے آتا ہے - اِن کا رنگ ناصر علی اور جلال اسیر کے مشابہ ہے - واقف آخر میں فیض آباد چلے گئے تھے - نواب شجاع الدولہ کی سرکار میں نقش نویسی کی تہمت میں گرفتار ہوئے تو ایک غزل حسبِ حال کہی جس کا ایک مطلع یہ ہے -

دور آیا ہے کہ ہوں شاہ و گدا پہرے میں
بے خطا پہرے میں اور اہلِ خطا پہرے میں

میر حسن نے جس غزل کا مطلع لکھا ہے، اُسی غزل کے تین شعر ہماری بیاض میں موجود ہیں :-

کیا خطا دل کی، جو زلفوں نے کیا پہرے میں
شب کو مت پھر تو اکیلا کہ ترا پہرے میں

مردمِ چشم نے پلکوں کی چھڑا[ا] سنگینیں
ایک عالم کو نظربند کیا پہرے میں

دل کے لگ جانے کو کہتے ہیں میاں، قیدِ فرنگ
آیا جو گھاٹی کے اندر، سو رہا پہرے میں

میر حسن نے ان کا بہت سا کلام دیا ہے - گلشنِ بے خار میں چار شعر نقل کیے ہیں - اور اُن کے اشعار کو دلچسپ کہا ہے - اِن میں تین شعر میر حسن کے علاوہ ہیں - تذکرۂ قدرت اللہ قاسم میں بیس شعر ہیں جن میں بہت سے نئے ہیں، مگر اِس بیاض میں جو غزلیں ہیں اُن کا کہیں پتا نہیں -

---

[ا] — چھڑا - (ادارہ) -

مغرورِ حسن یا کہ بداطوار کچھ کہو
خاطر کسی کی رکھتا نہیں یار ' کچھ کہو

تھی فکر جس کے قتل کی ' خلوت میں آپ کو
حاضر ہے سامنے یہ گنہگار ' کچھ کہو

آنا نہ آنا ' آج بھی وعدے پہ ' میری جاں
تک منہہ سے اپنے تم بھی تو اک بار کچھ کہو

جاتا ہوں آپ سے ہی میں ' مجلس میں تیری یار
تم منہہ سے اپنے کاہے کو اک بار کچھ کہو

تم جی میں کچھ نہ لائیو اے جاں اگرچہ خلق
ہم صاف دید کے ہیں طلبگار کچھ کہو

اچھے ہو واہ واہ ' اجی پوجے تمہارے پاؤں
منہہ پر تو کچھ کہو ' پسِ دیوار کچھ کہو

واقف کو اِس تپاک پہ لائق نہ تھا تمہیں
جو منہہ پہ کچھ کہو ' سرِ بازار کچھ کہو

کیا ہزاروں سے ہے اب تو' تم نے ہاں اخلاص
کروگے کاہے کو اب ہم سے ' اے میاں اخلاص

ہر ایک بات پہ اب تم ' جو توڑتے ہو دل
وہ دن بھی یاد ہیں' رکھتے تھے جو بہ جاں اخلاص

ہوا ہے اوروں سے تو ' جا کے آخرش مربوط
ہمارا یونہی گیا ' مفت رائگاں اخلاص

اب اُن سے ملنے سے کیا فائدہ ہے اے واقف
یہاں وہ دل ہی رہا اپنا' اور نہ واں اخلاص

یار

میر احمد نام تھا - یار تخلص ، شاہ آیۃ یار کے صاحبزادے اور دہلی کے قدیم باشندے تھے - میر تقی میر سے زیادہ تر اصلاح لی - اِسی کا اثر ہے کہ اِن کے اشعار میں وہی دل برشتگی اور انداز موجود ہے - جو میر و شاگردانِ میر کا خاص جوہر تھا - یہ اشعار بہت کم کہتے تھے - کبھی کبھی دو چار شعر موزوں ہوجاتے تھے - اِن کا ایک شعر تذکرۂ نساخ میں ملتا ہے - میر حسن نے اِن کی ایک غزل کے تین شعر درج کیے ہیں - بیاضِ موجودہ سے ایک نئی غزل نقل کی جاتی ہے -

نہ رہی نام کو اب آہ! وفا دنیا میں
رکھے ہم کو ، نہ اب اک آن ، خدا دنیا میں
ہائے ! کیا صورتیں اِن آنکھوں کے آگے سے گئیں
اُٹھ گیا رہنے کا ، افسوس ! مزا دنیا میں
غیر از عصیاں کے ہونے کا نہیں ، تجھ سے کچھ اور
جی کر ، اب اپنے تئیں ، کرنا ہے کیا ، دنیا میں
جیتا دیکھا ہی نہیں ، عشق کا بیمار کوئی
اِس مرض کی نہ ملی آہ ! دوا دنیا میں
مفت بدنام ہوا یارؔ تو ، عاشق ہوکر
کہتا ہے کوئی بھی ، اب تجھ کو بھلا دنیا میں

طبقۂ چہارم

اِس دور میں وہ شعرا رکھے گئے ہیں جو غالب و ذوق کے معاصر یا اُن کے شاگردوں میں تھے - یہ انتخاب بیاضِ نمبر ۲ سے کیا گیا ہے - یا شاذ و نادر دوسری اُسی کے ساتھ کی بیاض سے - اِس میں بھی بہت سے

ایسے لوگ موجود ھیں جو اپنے زمانے میں نہایت مشہور و معروف تھے - اور لوگ اُن کے کلام کو سر آنکھوں پر رکھتے تھے - مگر کلام نایاب ہونے کی وجہ سے لوگ نام بھی بھول گئے - اب کبھی تذکروں میں نام یا ایک دو شعر دکھائی دے جاتے ھیں - اِس دور کو بھی حروفِ تہجی کی ترتیب سے رکھا گیا ھے -

(۱) اخگر (۲) برق (۳) جوش (۴) خاور (۵) درویش (۶) رمز (۷) شرر (۸) شریر (۹) صبر (۱۰) صحیح (۱۱) غلطاں (۱۲) محبوب (۱۳) محمود (۱۴) مخیّر (۱۵) نشتر (۱۶) ھنر -

اخگر

منشی عبدالغفار نام تھا - اُلدن ضلع میرٹھ کے رھنے والے تھے - اور سیال کوٹ میں ملازم تھے - اُستاد ذوق کے ارشدِ تلامذہ میں تھے - نہایت پرگو ، شوخ مزاج ، بذلہ سنج ، حریف و ظریف ، طبّاع اور قادرالکلام لوگوں میں تھے - کبھی کبھی جب وطن میں ھوتے تو دھلی کے مشاعروں میں شرکت کے لیے جاتے تھے - بیاضِ نمبر ۲ اِنھیں کی مرتّبہ ھے - جس سے اِن کی ایک غزل قلعے کے مشاعرے کی ، اور ایک نظم ، ھم درج کرتے ھیں -

دکھلاتا ھے کیا کیا ، وہ تماشا مرے آگے
سر غیر کے زانو پہ ، کفِ پا مرے آگے

پھر آتا جو وہ رشکِ مسیحا مرے آگے
آتا نہ یہ پیغام اجل کا مرے آگے

کج‌بازی یہ افلاک کی ، اظہر ھے|من الشمس
بھاگے ھے مجھے چھوڑ کے سایا مرے آگے

سکتا ، مجھے کہتے ھیں ، جو کچھ ھو نہیں سکتا
انگشت بدنداں ھیں اطبّا مرے آگے

بس ضعف سے امروز ھي جینا مرا معلوم
کیوں کرتے ھو تم ، وعدۂ فردا مرے آگے

ھر وقت منوّر ھے زبس ، نورِ تجلّی
نادم ھو ، جو چمکے ، یدِبیضا مرے آگے

ھوں ایسا تظلّم سے ، میں صیاد کے معدوم
پھرتا ھے مجھے ڈھونڈتا ، عنقا مرے آگے

انگشت بدنداں ھوں میں ، اُس غنچہ دھن سے
کھل سکتا نہیں ھے ، یہ معمّا مرے آگے

وہ داغِ جدائی سے ھے ، سینہ مرا گلزار
بس رشک سے ، گُل کھائے ھے ، لالا مرے آگے

اچھا ھوا ، جو دام میں کاکل کے پھنسا ، دل
مدت سے ، یہ آوارہ تھا لڑکا مرے آگے

کیا بغض ھے ، معلوم نہیں ، مرغِ سحر کو
جو وصل کی شب ، شب ھی سے بولا مرے آگے

ھے عینِ تلطّف میں ، یہ آنکھوں کا دکھانا
دستہ ، گلِ نرگس کا ، جو بھیجا مرے آگے

با تیغ و کفن جاتا ھوں ، در کوچۂ سفاک
کیا قتل میں لائے گا وہ ، حیلا مرے آگے

یہ پھول گُئی بو ، کہ محلّہ مہک اُٹھا
وہ رشکِ چمن ، چھپ کے جو آیا ، مرے آگے

کیا فائدہ ، گر کیجیے افلاک کا شکوا
آیا ھے ، جو قسمت کا تھا لکھا ، مرے آگے

معلوم نہیں سینے میں ، کیا جلتا ھے اخگر
اُٹھتا ھے جو ھر وقت ، یہ شعلا مرے آگے

برق

آپ کا نام قاضی نجم الدین اور تخلص برق تھا - سکندرآباد، ضلع بلند شہر کے رہنے والے تھے اور ایک معزز خاندان کے رکن تھے - آپ کا بچپن اور شباب دہلی میں گزرا - وہیں تعلیم پاکر حکیم مومن خاں کے شاگرد ہوئے اور پھر اُن کے اشارے سے تسکین سے اصلاح لی، جو مومن کے شاگردِ رشید تھے -

آپ کی مشق نہایت اعلیٰ درجے کی تھی اور شاگردانِ مومن میں آپ کو ایک ممتاز درجہ حاصل تھا - کلام بہت سا جمع ہو گیا تھا - مگر طبیعت کی بے پروائی سے تلف ہوگیا - ۷۲ برس کی عمر پاکر سنہ ۱۸۹۹ء میں انتقال کیا- نہایت خوددار، خوش خو، باوضع، بذلہ سنج، لطیفہ گو، واقع ہوئے تھے - تین چار صفحے کا انتخاب خمخانۂ جاوید میں موجود ہے - بیاضِ نمبر ۲ میں جو کلام ملتا ہے وہ نیا ہے اور ہم اُسی کو پیش کرتے ہیں -

آغوش سے ہماری جو، جاناں نکل گیا
گھبرا کے سینے سے، دلِ نالاں نکل گیا

کیاکیا یہ حسرتیں جگر و دل میں رہ گئیں
سینے سے آکے اُس کا، جو پیکاں نکل گیا

بلبل کی طرح سیکڑوں نالاں ہی رہ گئے
جس راہ سے، وہ رشکِ گلستاں نکل گیا

ہم خاک میں ملے تو ملے، پر یہ شکر ہے
دل سے ترے غبار، مری جاں نکل گیا

ایسی کچھ آ بنی، جگر و دل پہ، ہائے، جب
پہلو سے، غیرتِ مہِ تاباں نکل گیا

تھاما دلِ حزیں کو، تو لختِ جگر گرے
تھانبا جگر کو، تو دلِ نالاں نکل گیا
چارۂ سوزِ نہاں کر کے، جلے گا تو بھی
برقِ نالے جو ترے، یوں ہی شرربار رہے
چھوٹتی مُنہہ میں لئے پھرتی ہے، اُس کے بام پر
ضعف سے رتبہ ہوا یہ، عاشقِ رنجور کا

جوش

آپ کا نام شیخ نیاز احمد تھا اور اللہ دیا عرف ۔ شیخ ابراہیم ذوق کے عزیز ترین شاگرد تھے ۔ مشّاق شاعر تھے ۔ قلعے کے مشاعروں میں شریک ہوتے اور دادِ سخن‌سنجی دیتے تھے ۔ سنہ ۱۲۷۱ھ میں انتقال کیا ۔ اِن کے صرف تین شعر تذکرۂ نساخ میں‌درج ہیں ۔ مگر بیاضِ نمبر ۲ سے ہم اِن کی وہ غزل نقل کرتے ہیں جو ایک بڑے مشاعرے کی ہے، جو غازی‌الدین خاں کے مدرسے میں منعقد ہوا تھا ۔ اُس میں ذوق، مومن، غالب اور شیفتہ وغیرہ بھی موجود تھے ۔ سب کی غزلیں اِس زمین میں موجود ہیں، جن سے پتا چلتا ہے کہ مشاعرے کی اہمیت کو دیکھ کر سب نے بہت زور دار غزلیں کہی ہیں ۔

نہ مکتفی ہو، مری ایک داستاں کے لیے
دو صد زباں ہوں اگر، کلکِ دو زباں کے لیے
گِل ایسے، خواب‌میں بوسے، ترے دہاں کے لیے
کہ آج تک ہے وہی ذائقہ، زباں کے لیے
بھی عروج ہے گر، نالۂ و فغاں کے لیے
تو کوئی دم میں، بلا آئی، آسماں کے لیے

وہم نہیں ہیں کہ جو، جی چھپائیں، جاں کے لیے
کھلا کے دیکھ لو تم زہر، امتحاں کے لیے

ازل میں جب، جگر و دل بہم ہوئے تقسیم
ملے ہمیں بھی، مگر، چشمِ خوں فشاں کے لیے

تمہارا محوِ تماشا، ہوا ہوں کچھ ایسا
کہ بن گیا ہوں تماشا، میں اک جہاں کے لیے

نہیں ہے طوق سے کم، حلقۂ گریباں بھی
جنوں میں، اِس ترے مجنونِ ناتواں کے لیے

مٹا گئے ہیں، یہ ہستی کو، رفتگانِ عدم
کہ نقشِ پا بھی نہیں ہے کہیں، نشاں کے لیے

جگر سے نکلے اگر، آہِ شعلہ دار مری
تو ایک شمع ہو فانوس، امتحاں کے لیے

نصیب، باغِ جہاں میں، یہ بےکسی ہے مجھے
کہ دل کے خار، چُنے میں نے، آشیاں کے لیے

اثر، جو یار کے دل میں نہ کرسکے، شبِ ہجر
جگا دے نالہ، مؤذن ہی کو، اذاں کے لیے

اگر ہے اپنا گریباں، تو بہرِ دستِ جنوں
جو آستیں ہے، تو ہے چشمِ خوں فشاں کے لیے

نہیں ہے رونے کا غم اپنے، پر یہ ہے رونا
کہ تم نروو کہیں، بیٹھ کر، مکاں کے لیے

خدا کی شان! تجھے رنجِ دوریِ ناقہ
مزے ہوں قرب کے، اے قیس، ساربان کے لیے

قفس میں بیٹھ رہے ہم، بھلا ہوا صیّاد
کہ جا ے، ڈھونڈتے پھرتے تھے، آشیاں کے لیے

دیا ہے اُس بتِ بیدادگر کو، جوشؔ نے دل
ہمیں تو آتا ہے افسوس، اِس جواں کے لیے

خاور

مرزا محمد اکبر خاں نام تھا مرزا مہدی مہدی سیستانی مقیم اکبرآباد صاحبزادے تھے - فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں فکرِ سخن فرماتے تھے - فارسی میں مرزا محمد حسین خرا سانی اور اردو میں میر وزیر علی صبا لکھنوی کے شاگرد تھے - اِن کا صرف ایک شعر تذکرۂ سخنِ شعرا میں درج ہے- مگر خمخانۂ جاوید میں اِن کی دو غزلوں کا انتخاب دیا گیا ہے، اور لکھا ہے کہ سو روپیہ ماہوار مہاراجہ پٹیالہ کی سرکار سے تنخواہ مقرر تھی - سنہ ۱۲۹۵ھ میں پینتالیس سال کا سن تھا اور ساتھ برس سے زیادہ عمر پائی - اِس سے اِن کا سالِ وفات تقریباً سنہ ۱۳۱۰ھ قرار پاتا ہے - بڑے جیّد عالم اور نہایت خوش گو تھے - ایک غزل بیاضِ نمبر ۲ سے نقل کی جاتی ہے، جو غیر مطبوعہ ہے -

کچھ حالِ دل کے کہنے...ڈرتا نہیں ہوں میں
اِس میں بھی ایک بات ہے، کہتا نہیں ہوں میں

یہ ضد بھی کام آئے گی اپنی، کسی جگہ
جس جا پہ بیٹھتا ہوں، پھر اٹھتا نہیں ہوں میں

کھیلے وہ جان پر، یہ عدو کا جگر کہاں
دل دے کے جی چُراؤں، کچھ ایسا نہیں ہوں میں

دل میں خیالِ وصل رہا، عمر بھر مجھے
اس واسطے فراق میں، سوتا نہیں ہوں میں

واں تو کھٹک رہا ہوں مَیں، آنکھوں میں غیر کی
یاں آپ اپنی نظروں میں، جچتا نہیں ہوں میں

آتا ہے روز، میری عیادت کو، وہ مسیح
اچھا ہوا ہے یہ بھی، کہ اچھا نہیں ہوں میں

کر تو غلام، ایک ہی بوسے پہ، تو مجھے
اِس میں بھی کچھ دروغ ہے، سستا نہیں ہوں میں

دل میں یہ ڈر ہے، شکر نہ ہو جائے پھر کبھی
شکوہ عدو کا، اس لیے سنتا نہیں ہوں میں

دل بھی عجیب خضر ملا، راہِ عشق میں
اب تک تو کوے یار میں، بھٹکا نہیں ہوں میں

مارا ہوا ہوں میں، شبِ فرقت کا اِن دنوں
بس حالِ دل نہ پوچھیے، اچھا نہیں ہوں میں

تہمت عبث ہے، مجھ پہ یہ، مرنے کی بار بار
تم آ کے دیکھ جاؤ، کہ جیتا نہیں ہوں میں

زخمِ جگر کے واسطے، سب دل لگی گئی
رونے کا یہ مقام ہے، ہنستا نہیں ہوں میں

ڈر ڈر کے، چونک پڑتا ہوں، کنجِ مزار میں
صدمہ، شبِ فراق کا، بھولا نہیں ہوں میں

مرنے کا لطف، دیکھ رہا ہوں مَیں، زیست میں
یہ بھی تو ایک موت ہے، مرتا نہیں ہوں میں

نزدیک اُن کے جاتا ہوں؛ کس کس فریب سے
کچھ دور سے جو کہتے ہیں؛ سنتا نہیں ہوں میں
ذوقِ سخن نہ پوچھیے خاور کہ اِن دنوں
چُپکی یہ لگ رہی ہے، کہ گویا نہیں ہوں میں

درویش

میر شاہ علی دہلوی کا تخلص تھا - آپ حضرت شاہ آل احمد کی اولاد میں تھے - میر نظام الدین ممنون کے شاگرد تھے - آخر عمر میں ترکِ تعلقات کرکے فقیر ہو گئے تھے، اور شعر گوئی بھی ترک کردی تھی - صرف دو شعر اِن کے گلشنِ بے خار، تذکرۂ نساخ اور خمخانے میں پائے جاتے ہیں - ہم بیاضِ نمبر ۲ سے ایک غزلِ غیر مطبوعہ نقل کرتے ہیں - یہ میرزا غالب و ذوق کے معاصر تھے اور نہایت مشّاق تھے -

تجھ سے کہتا ہوں دلا، حالِ پریشاں چھوڑدے
اے جنوں! بہرِ خدا میرا گریباں چھوڑدے
عشق کی منزل ہے مجھ کو، اور جانا دور ہے
دامن الجھا ہے مرا؛ خارِ بیاباں چھوڑدے
رات دن فریاد و زاری میں گزرتی ہے مجھے
اے خیالِ یار، اب تو غم کا ساماں چھوڑدے
اے تصور، یار سے کہدے کہ اے پردہ نشیں
آ مری آنکھوں میں، اور مژگاں کا داماں چھوڑدے
یا علی، درویش نے پکڑا ہے دامن آپ کا
غم سے کہدیجیو کہ اب تو غم کا ساماں چھوڑدے

رمز

رمز تخلص تھا، شاہزادۂ فخرالدین فتح الملک بہادر معروف بہ مرزا فخرو ولیعہد دریمی حضرت سراج الدین ظفر بادشاہ دہلی کا، جو سنہ ۱۲۶۹ ہجری میں ولیعہدِ سلطنت قرار پائے تھے - مگر تقدیر کو منظور نہ تھا، ہنگامۂ غدر سے پہلے ہی سنہ ۱۸۵۲ع میں آپ کا انتقال ہوگیا - آپ ذوق مرحوم کے ارشدِ تلامذہ میں تھے - نہایت خوشگو اور پرگو شاعر تھے - دیوان مرتب ہوچکا تھا، مگر آشوبِ غدر میں ایسا تلف ہوا کہ سوائے اُس معمولی انتخاب کے، جو بعض تذکروں میں موجود تھا، کچھہ باقی نہ رہا - آپ دہلی کے اُن مشاعروں میں برابر شریک ہوتے تھے جو قلعۂ معلیٰ میں منعقد ہوتے تھے اور جن میں غالب، مومن، ذوق، شیفتہ وغیرہ تمام اساتذۂ متاخرینِ دہلی شریک ہوتے تھے - آپ اُس مشاعرے میں بھی شریک تھے جس میں مرزا غالب مرحوم کی یہ غزل ہے -

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے

اِس زمین میں مرزا غالب کے علاوہ خود ظفر اور دوسرے اساتذہ کی غزلیں بھی موجود ہیں - چنانچہ محبوب شاگردِ منظّر اور احکر شاگردِ ذوق کی غزلیں ہم اِسی بیاض سے آگے نقل کریں گے - اِسی میں رمز کی غزل بھی موجود ہے، مگر پڑھی نہ جانے کی وجہ سے اُس کو چھوڑکر ہم ایک اور غزل نقل کرتے ہیں - اِس زمین میں بھی مرزا غالب کی غزل موجود ہے - اور غالباً ظفر کی غزل بھی ہے - معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی قلعۂ معلیٰ کا کوئی مشاعرہ تھا - اِس غزل کا چوتھا اور دسواں شعر خمخانۂ جاوید میں نقل ہوا ہے -

تم آؤ، یا غمِ فرقت میں، یہ کم بخت دم نکلے

تمنا، کوئی تو دل کی ہمارے، اے ہمدم نکلے

چھٹوں میں اِن عذابوں سے، مری حسرت، صنم نکلے
کہیں بیدادسے تیرے، یہ جانِ پرُ الم نکلے

قسم کھائی ہو جب اُس نے، تصوّر میں بھی آنے کی
تو حسرت کوئی دل کی کیونکہ، چرخِ پرُستم نکلے

الٰہی ! موت تو ہوگی، مگر یوں ہو، تو بہتر ہو
کہ سرہو پانو پر قاتل کے، اور سجدے میں دم نکلے

نظر آجائیں عالم کو، ابھی، آثار محشر کے
خراماں گھر سے، گر وہ نازنیں، اک دو قدم نکلے

مبارک اے تمنّائے شہادت، اب تو بن آئی
کہ میرے قتل کو، گھرسے، وہ کھائے ہیں، قسم نکلے

جدھر دیکھا، نظر آئے تماشے، اک خدائی کے
ہمارے دیدۂ حیراں بھی، گویا جامِ جم نکلے

اگر سیدھی کہوں اِن سے، تو یہ اُلٹی سمجھتے ہیں
مگر یہ حضرتِ ناصح بھی کوئی اک رقم نکلے

محبّت میں کیا جب امتحاں، عشّاق کا اُس نے
تو سردینے کو، اِس میداں میں، سب سے پہلے، ہم نکلے

نہو جب ضعف سے طاقت، کہ آئے جان بھی لب تک
تو ہم سے ناتوانوں کا، کہو، کس طرح دم نکلے

بنائی درد و غم سے، جب کہ صانع نے، بِنا اُس کی
تو پھر فرمائیے، کیوں کر دلِ پرغم سے غم نکلے

اُٹھایا قطرے قطرے نے بھی، جس کے، نوح کا طوفاں
یہ آنسو تو مرے، اے چشمِ تر، کورے ستم نکلے

لبوں پر جان ہے ، اور شوق ہے وہ ہی ، جفاؤں کا
ستم کش ہم سا ڈھونڈو ، تو جہاں میں کوئی کم نکلے

شرر

مرزا غیاث الدین نام تھا - مرزا قمرالدین شیدا کے صاحبزادے ، شاہ عالم بادشاہ کے پوتے اور شیخ ابراہیم ذوق کے شاگرد تھے - قلعۂ معلیٰ کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے ، اور اپنے معاصرین میں خوش‌گو مانے جاتے تھے - سنہ ۱۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے ، اور غدر کے زمانے میں بغاوت کے الزام میں پھانسی ملی- اُس‌وقت ۴۵ برس کی عمر تھی- نہایت باوضع تھے- دلی میں کوچۂ بلاقی بیگم کے قریب ایک باغیچے میں رہتے تھے - ان کے تین شعر تذکرۂ نساخ میں اور پانچ شعر اُن کے علاوہ تذکرۂ خمخانہ میں موجود ہیں - بیاضِ نمبر ۲ میں اِن کی ایک غزل موجود ہے جو کسی دوسری جگہ نہیں ہے -

ازل کے دن جو ہر اک درد کی دوا ٹھہری
تو اُن کے بوسۂ لب پر ، مری شفا ٹھہری

ہمارے واسطے کیا کیا نہ کچھ سزا ٹھہری
کسی نے یہ بھی نہ‌پوچھا کہ کیا خطا ٹھہری

نہ دم لیا ، نہ کہیں راہ میں ذرا ٹھہری
ہماری آہِ رسا ، لامکاں پہ جا ٹھہری

تمھارے آنے پہ ، دم دے کے ، جاں کو روکا ہے
تو لب پہ آن کے ، پوچھے تجھسے ، کیا‌ٹھہری

پھرا نہ جیتا ہوا ، کوے یار سے کوئی
گلی صنم کی عزیزو ، یہ کربلا ٹھہری

لگا جو دانت مرا لب پہ، ہنس کے فرمایا
ہمارے بوسے نہ ٹھہرے، کوئی غذا ٹھہری

شرر کے دیدۂ خوں بار کو، کیا پامال
تو اُن کے پانو میں، وہ سرخیِ حنا ٹھہری

حمدِ واحد میں، جو خامہ ہے غزل خواں اپنا
قل ھو اللہ کی تفسیر ہے، دیوان اپنا
رحمتِ عام کا اُس کی جو گزرتا ہے خیال
گھر سمجھتا ہوں شرر، روضۂ رضواں اپنا

شریر

منشی احمد خاں نام تھا - دھلی کے رھنے والے تھے، مگر قیام فیروزپور میں رھتا تھا - غالب و مومن کے معاصر تھے - تذکرۂ سخنِ شعرا میں اِن کا ایک شعر ملتا ھے - بیاضِ نمبر ۲ میں ایک پوری غزل ھے، جس کے جتنے شعر پڑھے جاسکے، وہ درج کیے گئے -

ہوئے کیا ہی مزہ جو وہ غنچہ دہن، ملے مجھکو اکیلا بہ صحنِ چمن
ملوں سینے سے سینہ، بدن سے بدن، چھو، لبوں کو لبوں سے، بدن سے بدن
ہوا پیدا تو ایسا ہی رشکِ چمن، کہ یہ جسم ترا ہے میوں برگِ سمن
ترے ہونٹوں سے لعلِ یمن کی پھبن، تری زلف ہے جیسی کہ مشکِ ختن

بھلا کس سے سناؤں میں اپنی خبر، وہاں جاتے لگے ہے بہت سوں کو ڈر
پڑی رہتی ہیں ماتھے پہ شام و سحر، وہاں تیوری پہ تیوری، شکن پہ شکن
ہوئی ہم کو نصیب جو وصل کی شب، تو ملے یہ اِس میں بھی رنج و تعب
وہ کہے ہے کروں گا میں تجھ پہ غضب، جو چھوے گا ذرا بھی بدن سے بدن
ارے تیرا ہی دل نہ شریر لیا، جو کرے ہے اُنھوں سے یہ شکوہ سدا
کہ اُنھوں نے ہزاروں کو قتل کیا، لڑے جس سے اُنھوں کے نین سے نین

صبر کان‌پوری

اِن کا نام محمد رضا تھا - صبر تخلص - رشک لکھنوی کے شاگرد تھے - اِس سے زیادہ حال معلوم نہ ہو سکا -

غیر کو شانہ‌کشِ گیسوے جاناں دیکھا
رات، یہ ہم نے عجب خوابِ پریشاں دیکھا

خط سے، جاتے ہوئے رنگِ رخِ تاباں دیکھا
آج بجھتا یہ چراغِ تہِ داماں دیکھا

سنگ دل کو نہ کیا موم، کسی دن تونے
جا، اثر تیرا بس اے نالۂ سوزاں دیکھا

یار نے روے کتابی پہ، جو زلفیں چھوڑیں
آج دو کبر کو پڑھتے ہوئے قرآں دیکھا

کیا خیالِ رخ و کاکل میں ہے مصروف، اے صبر
رات دن ہم نے تجھے، سر بہ گریباں دیکھا

غلطاں

کریم بخش نام تھا - کیرانہ ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے - ذوق کے شاگرد تھے - ممکن ہے کہ دہلی میں قیام رہتا ہو- ایک غزل اِن کی بیاض نمبر ۲ میں موجود ہے - نساخ نے اِن کے صرف دو شعر اپنے تذکرے میں درج کیے ہیں-

برقع جو اٹھا چہرے سے ' اُس رشکِ قمر کا
پایا نہ نشاں طور پہ ' موسیٰ نے بصر کا

درباں بھی الگ رہ گیا ' اُس یار کے در کا
پہنچا وہ کمندداں کے' بھیدی تھا جو گھر کا

پھر گنبدِ گردوں پہ بھی ' پھرجاوے گا پانی
چشمہ یہ اگر ' وا ہو' مرے دیدۂ تر کا

آنکھیں تو ملاوے ذرا ' قاتل سے ہمارے
دعویٰ ہو' خدائی میں جسے' تیغ و سپر کا

دل آہ گیا طفل یہ سائے میں پری کے
باندھا کیا تھا ' لاکھ میں تعویذ نظر کا

اُس نور کے شعلے نے وہاں طور کو پھونکا
اور یاں نہ جلا ' دیکھیے ' پتّا بھی شجر کا

اللّٰہ کہا کان ' سنا میں نے ہے زاہد
اِس میں بھی دوئی سمجھے' تو ہے فرق نظر کا

ہردم ہے مجھے موت' ترے ہجر میں ظالم
پایا نہ پتا وصل میں بھی' اُس کی خبر کا

غلطاں ' سمندر میں لگا عشق کے' غوطے
طالب ہے' حقیقت میں جو تو' اشکِ گہر کا

محبوب

دہلی کا ایک کامل الفن قوّال تھا، جس کو اپنے فن کے ساتھ ساتھ شاعرانہ ذوق بھی بدرجۂ اتم تھا - قلعے کے مشاعروں میں شریک ہوتا تھا - اور معتبر بزرگوں سے سنا کہ بادشاہ کی غزل گاکر یہی پڑھتا تھا - اُس کی اُس غزل پر ایک غزل، بیاضِ نمبر ۲ سے ملی، جس میں مرزا غالب کی غزل ہے -

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے

چنانچہ وہ درج کی جاتی ہے -

گلشن ہے ترے ہجر میں صحرا، مرے آگے
ہے خار سے بدتر، گلِ رعنا مرے آگے

دنیا ہے یہ اُجڑا سا محلّا مرے آگے
گردوں ہے ھنڈولے کا تماشا مرے آگے

رتبے ہیں قدِ یار کے، کیا کیا مرے آگے
ہے سرو سے کم، درجۂ طوبیٰ مرے آگے

مشکل ہیں مضامین، کمر کے مجھے کہنا
آساں ہے ولے، بندشِ عنقا مرے آگے

گو صورتِ درویش ہوں، پر دل وہ غنی ہے
کملی سے بھی کمتر ہے، دوشالا مرے آگے

میداں میں تعشّق کے، میں وہ شیر ہوں غرّاں
کیا تاب ہے، مارے کوئی کلّا مرے آگے

اُلجھے ہے دلِ زار مرا، دامِ بلا میں
ہردم تو، نہ یوں زلف کو سلجھا مرے آگے

از بس غمِ ہجراں میں، وہ کاھیدۂ تن ہوں
ہے کوہ صفت، ضعف سے تنکا، مرے آگے

سمجھا میں، ترے ہجر میں، قلقل کی صدا کو
لے ہچکیاں روتا ہے، یہ شیشا مرے آگے

من بعد، وفاؤں کو مری، یاد کرے گا
وہ، گو کہ مری قدر، نہ سمجھا، مرے آگے

ہر چیز، ہر اک پر، اُسے ممتاز کیا ہے
آدم ہے مگر، خاک کا پتلا مرے آگے

سمجھوں ہوں شبِ وصل کو میں، روزِ جدائی
خلوت میں بھی، رکھتا ہے وہ، پردا مرے آگے

اغلب کہ ہے امروز ہی فردائے قیامت
جو اُس نے کیا، وعدۂ فردا مرے آگے

ہوتا نہ قلم، غرقۂ گردابِ تحیّر
کھل جاتا اگر، ناف کا عقدا، مرے آگے

محجوب مُقر ہے، تری خدمات سے، اے دل
تس پر تو عبث، کرتا ہے شکوا، مرے آگے

محجوب

مرزا محمود شاہ نام اور محمود تخلص تھا - شیخ ابراہیم ذوق کے تلامذہ میں تھے اور ابو ظفر، بہادر شاہ کے داماد تھے - قلعۂ معلی کے مشاعروں میں شریک ہوتے تھے - کلام اچھا خاصا جمع ہوگیا تھا، مگر غدر کے ہنگامے میں تلف ہوگیا - چنانچہ اب صرف ایک شعر ان کا تذکرۂ نساخ میں ملتا ہے - ہم بیاضِ نمبر ۲ سے ایک پوری غزل نقل کرتے ہیں -

کہاں ہے مشک میں بُو، زلفِ پُرشکن کی سی
خطا سے کہتے ہیں سب، نافۂ ختن کی سی

ملی صبا کو نہ جب، اُس دہانِ تنگ میں راہ
ہوئی تلاش مجھے، مختصر سخن کی سی

نہیں ہے جب سے کہ بَر میں، وہ غیرتِ شیریں
جگر میں کاوشِ پنہاں ہے، کوہکن کی سی

ہمارے داغِ جگر میں بھی، دیکھ لو، صاحب
چمک ہے، آپ کے بازو کے، نورتن کی سی

وہ مارِ زلف کا، کاٹا، تو جی یہ کھول گیا
لو، اب تو ہوگئیں لہریں، تمہارے مَن کی سی

فغاں کو سن کے مری، بلبلوں نے روکے کہا
صدا ہے یہ کسی عاشق، جلا وطن کی سی

ہوا ہے چشمِ غزالاں سے اُنس، کیا، محمود
بھرے ہے طبعِ رسا چوکڑی، ہرن کی سی

سخیّر

منشی محمد احسان اللہ نام تھا، دہلی کے قدیم باشندے تھے۔
مگر کمپ میرٹھ میں مقیم تھے۔ شیخ ابراہیم ذوق کے شاگرد تھے۔
لعے کے مشاعروں میں شریک ہوکر دادِ سخن دیتے تھے۔ افسوس کہ
یادہ حال معلوم نہ ہوسکا۔ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مشّاق تھے۔
ذکرۂ نساخ میں مختلف غزلوں کے چھ شعر انتخاب کرکے دیے ہیں
یاضِ نمبر ۲ میں اِن کی ایک غزل اُسی زمین میں دستیاب ہوئی
، جس میں مرزا غالب کی غزل ہے:۔ بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
علوم ہوتا ہے کہ یہ بھی اُس مشاعرے میں شریک تھے۔

رهتا ہے سدا ، یار کا جلوا مرے آگے
ہے آتش پہر ، ایک تماشا مرے آگے

آنکھوں سے بہے ، سیکڑوں دریا مرے آگے
اک چشم زدن میں ، ہوا کیا کیا ، مرے آگے

جس دن سے سدا ، عارضۂ عشق ہے مجھکو
آتا نہیں ، وہ رشکِ مسیحا مرے آگے

اے یار ، میں دل تھام کے رہ جاتا ہوں اپنا
لیتا ہے کوئی نام ، جو تیرا ، مرے آگے

شعلہ کوئی کہتا ہے ، کوئی مہ ، کوئی خورشید
اُلٹو تو ، نقابِ رخِ زیبا مرے آگے

صاحب ، میں تمھاری سخن آرائی سے ، گزرا
تم کرنے لگے ، ذکر عدو کا ، مرے آگے

حسرت ہے ، کہ تجھکو غمِ تنہائی سناؤں
ظالم ، کبھی آ بیٹھے اکیلا مرے آگے

جی ہل گیا ، جب تیرِ نگہ کیا کے مرا دل
بسمل کی طرح ، خاک پہ تڑپا مرے آگے

ناصح ، تری پند آتی نہیں ، میری سمجھ میں
تو بیٹھ کے ، دل کو مرے سمجھا ، مرے آگے

سمجھا ہوا ہے طائرِ دل ، آپ کو زیرک
ہاں ، کھول تو دو ، زلفِ چلیپا مرے آگے

آنکھوں میں ، تری زلفِ سیہ ، جب سے سمائی
رہتا ہے مدام ، ایک اندھیرا مرے آگے

کیا قصد ہے اب اور، مجھے چُپ تو لگادی
باتیں نہ بنا، او ستم آرا! مرے آگے

میں مضطرب الحال، جو ہوجاتا ہوں، ہردم
پھر جاتی ہے، وہ صورتِ زیبا مرے آگے

مارا مجھے آخر، تری روپوشی نے ظالم
آگے سے سرک جا مرے، مت آ، مرے آگے

بجلی سی چمک جاتی ہے، آنکھوں کے حضور، ایک
آجاتا ہے جس دم، وہ بھبوکا مرے آگے

میں محوِ تصوّر ہوا، جس وقت متحیّر
بس کھنچ گیا، اُس شوخ کا نقشا مرے آگے

ہنر

مرزا بختاوربخت دہلوی نام، شاگرد مرزا حاجی شہرت - نبیرۂ شاہ عالم بادشاہ شاگرد احسان دہلوی(؟) اِن کے دو شعر تذکرۂ نساخ میں ملتے ہیں - یہ غزل جو بیاض سے نقل کی جاتی ہے اِس کا کوئی شعر اِن کے نام سے نہیں ہے - معلوم ہوتا ہے کہ شعراے متاخرین میں سے، میر، سودا، قائم وغیرہ سے بعد کے لوگوں میں تھے — کیونکہ غزل کے دیکھنے سے زباں کی شستگی و رفتگی کا پتا چلتا ہے —

رات، بے اختیار آنکھوں میں
کھب گئی زلفِ یار آنکھوں میں

ہو کے مشتاق، اُس کے وعدے کا
رہ گیا انتظار آنکھوں میں

شوقِ دیدار میں ترے گلرو
کھل رہی ہے بہار آنکھوں میں

بارشِ اشک کی کہوں کیا بات
جاری ہے آبشار آنکھوں میں

اب تو آنے لگے ہیں لختِ جگر
ایک دو تین چار آنکھوں میں

کیونکہ اُس کو چھپاؤں دل میں ھنر
وہ رہے ہے ہزار آنکھوں میں

اِس کے بعد ہم اُن شعرا کے کلام کو بھی پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں جو اِن بیاضوں میں موجود ہیں؛ مگر کسی صورت سے اُن کے حالات و واقعات کا پتا نہیں چلتا - کاش یہ سعی مقبول ہو ' تو کاوشِ فراہمی دوسری طرف مشغول ہو -

---

فرہنگ الفاظ مستعملۂ قدیم

ا

آذر — آفتاب کے برج حوت میں رہنے کی مدت، جو ماہ چیت سے مطابق ہے - ابر آذری سے مراد، ابر بہار -

آن — ھ، (۱) عہد - قسم - (۲) ضد - ہٹ - (۳) مناھی، روک ٹوک - (۴) وضع - شان - دستور - ع، وقت -

ابا — ع، انکار -

ابٹنا — ھ، ابٹن، غازہ -

آسپک — ف، بڑا خیمہ، گھوڑے پر نشانہ لگانا -

اگن — ھ، اک چھوٹی خوش آواز چڑیا -

الغیاث — ع، فریاد -

انکھیاں — ھ، آنکھیں -

اوقات — ع، وقت کی جمع - اردو میں حیثیت کے معنی میں بولتے ہیں -

ب

باس کرنا — سونگھنا - اب اس معنی میں نہیں بولتے -

بانا — ھ، (۱) لباس - وردی - وضع بھیس، (۲) وہ تار جو کپڑا بننے میں عرض میں لگائے جاتے ہیں - (۳) طلائی، نقرئی، ریشمی ڈورا جو بہادری کی نشانی سمجھ کر پاؤں میں ڈالتے ہیں - (۴) ہنر پیشہ - (۵) لڑائی کا ایک آلہ جس کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر گھماتے تھے -

باوری — ھ، باولی -

بائی جی — ھ، (۱) با عزت عورت - (۲) ہندو ناچنے گانے والی عورت -

بچگانہ — ف، بچوں کی قابل - حاتم کی نظم میں بچوں کے معنی میں آیا ہے -

بر — ھ، (۱) شوہر - منگیتر (۲) کپڑے کا عرض - تلوار کی چوڑائی - ف، (۱) بغل (۲) جنگل - (۳) پہلو (۴) اوپر (۵) باہر (۶) جسم، تن (۷) نزدیک -

بسنتی — ھ، مراد بسنتی رنگ کی پگڑی -

بطانا—ع' (۱) دل کا راز (۲) استر - اردو میں وہ کپڑا جو دستار کے نیچے لپیٹتے ہیں ' تہ پیچ- (بٹانا) (۱)چوڑی پہنانے کا پیمانہ جو منہار اپنے پاس رکھتے ہیں - (۲) سونے پیتل وغیرہ کی ہاتھ میں پہننے کی چوڑیاں -

بغل گرم کرنا—ھ' پاس سونا -

بنکا—ھ' بانکا -

بھڑ بوجا—ھ' غلہ بھوننے کا پیشہ کرنے والا -

بیکنٹھ—ھ' بہشت - جنت -

پ

پائے گیر—ف' پابند - مقید - قائم -

پت—ھ' اعتبار - ساکھ - عزت - آبرو - بات -

پٹاپٹی—ھ' ایک کپڑے کا نام -

پجوڑا—ھ' پاجی -

پچھوں—ھ' پیچھے -

پرتلا—ھ' وہ چوڑا تسمہ جس کو تلوار لٹکانے کے لیے کندھے پر ڈالتے ہیں -

پرمل—ھ' بھگوکر بھونی ہوئی مکئی-

پڑے پھرنا—ھ' مارے مارے پھرنا -

پشوری—ھ' پشاوری -

پلارک—ف' فولاد جوھر دار کی ایک قسم - مجازاً تلوار -

پونی—ھ' روئی کا گول کیا ہوا گالا جس سے چرخے کے تکلے پر تار نکالتے ھیں -

پھرنا—ھ' پھنا -

پھندلانا—ھ' پھندا مارنا - اب اس معنی میں متروک ھے -

پھینٹا—ھ' پگڑی -

پیو—ھ' بجائے پیا -

پیوندی موچھیں—بڑی بڑی موچھیں- اب نہیں بولتے -

ت

تبارک—ع' بزرگ برتر - قرآن شریف کے پارہ ۲۹ کی ایک سورت کا نام -

تجنا—ھ' دانستہ کسی چیز کا ضائع کرنا - ترک کرنا -

تویز—ھ' تعویذ -

تیکھا—ھ' تیز مزاج -

تیں—ھ' بجائے تو کے مستعمل تھا' اب متروک ھے -

تئیں—ھ' بجائے' کو - اور - تک - کے بولا جاتا تھا -

ٹ

ٹک—ھ، ذرا۔
ٹھاٹھ—ھ، (۱) آرائش۔ تجمل۔ شان شوکت (۲) طریقہ (۳) ناز و انداز (۴) ڈھانچا (۵) پینترا۔

ج

جگ—ھ، زمانہ۔
جگیر—ھ، جاگیر۔
جھانجھ—ھ، (۱) ایک باجا جو ہاتھ سے بجاتے ہیں، بڑا مجیرا (۲) تیزی غصہ (۳) کسی چیز کی طلب اور خواہش کی تکلیف۔
جھڑ بدلی—ھ، بارش کا سامان اور زمانا۔
جھنور—ھ، دھیمر۔ جو ہندوؤں کی ایک قوم ہے پانی وغیرہ پلاتی ہے اور مچھلیاں وغیرہ پکڑ کر بیچتی ہے۔
جی چلانا—ھ، خواہش کرنا۔ دلیری دکھانا۔ ہمت کرنا۔

چ

چکنے—ھ، مراد تر و تازہ۔ چہرے پر روغن ہونا۔
چل—ھ، خطا، قصور۔
چورنگ بنانا—ھ، چار ٹکڑے کر کے تلوار وغیرہ سے کاٹنا۔
چیرہ—ھ، ایک قسم کی منقش پگڑی۔

خ

خالہ کا گھر نہیں—ھ، یعنی کوئی آسان کام نہیں۔
خدا کی سوں—ھ، خدا کی قسم۔
خراد گر—ف، خراد کا کام بنانے والا۔
خر در گلاب—ف، گدھے کا کیچڑ میں پھنسنا۔ کوئی مشکل درپیش ہونا۔ دشواری۔
خنجری—ھ، ڈفلی۔
خندا—ھ، غنڈا، اوباش قسم کا آدمی۔ ہنسوڑ۔
خند پن—ھ، بیہودہ ہنسی مذاق۔
خندی—ھ، بیحیا۔ بےعزت فاحشہ عورت۔

د

دَب کرنا—ھ، گھوڑے کو مہمیز کرنا۔ اب اِس معنے میں نہیں بولتے۔
دُر در کرنا—ھ، دور دور کرنا۔ پاس نہ آنے دینا۔
دوہ مُنڈا—ھ، داڑھی منڈانے والا۔

دس عقل—ھ' عقول عشرہ - وہ دس
فرشتے جو اول پیدا ہوئے اور
جنھوں نے دنیا بنائی -
دل گردا—ھ' ہمت' جرأت -
دنا—ھ' دھنا' دھرنا -
دوانہ—ھ' دیوانہ' سڑی - سودائی -
دوپلتہ—ھ' دو پلا - ایک قسم کا
نگینہ -
دھمک دکھانا —ھ' دھمکیاں دینا -
دُھنا' دھنیا—ھ' نداف روئی دھنکنے
والا -
دِیا جلائی—ھ' چراغ جلانا - پہلے
زمانے میں چراغ روشن کرنے
کی خدمت نائیوں کے سپرد
ہوتی تھی -
دیہی—ھ' بدن' جسم -

ڈ

ڈنڈ—بازو -
ڈول—ڈھب - ڈھنگ -

ر

رکھائی پر آنا—ھ' بیمروتی برتنا -
رنڈیا—ھ' رانڈ بیوہ -
ریزہ کرنا—ھ' خردہ کرنا' بھنانا -

ژ

ژورا—ھ' زور -

س

ساجن—مراد معشوق -
سانورا—سانولا - مراد معشوق -
سبزی—بھنگ -
ستارا—ایک شہر کا نام -
سُتاری—ھ' موچیوں کا ایک اوزار -
سنی—ھ' سے -
سجن—ھ' معشوق -
سریجن—ھ' مراد معشوق -
سلام کرنے کو بایاں ہاتھ اُٹھانا—
مخالفت کی علامت -
سمرن—ھ' مالا' تسبیح -
سنگ—ھ' ساتھ -
سوسی—ھ' ایک گھٹیا سوتی کپڑا -
سوں—ھ' قسم -
سیتی—ھ' سے -
سیف خانی سج—ھ' مراد بانکی
وضع -

ش

شارک—ف' مینا -
شُروا—ھ' شوربا -

ط

طرح—ف ع' طریقہ - بنیاد -
طوسی—ف' ایک کپڑے کا نام -

ع

عشق ہے—آزاد فقیروں کا سلام -

عمدے—ف، عمدہ کی جگہ - شاہی زمانے کے بڑے عہدے دار معتمد علیہ -

غ

غنڈا—ھ، آوارہ، بدمعاش - بد چلن -

ف

فند—ھ، مکر -

ق

قشعریرہ—ع، پھرھری - جُھرجھری -

قطبی—ف، زمرد یا نیلم کا چھوٹا نگینہ -

قلوب المومنین—مومنوں کے دل -

ک

کان جھاڑنا—ھ، چونکنا - چیتنا - تیار ہونا -

کتے—ھ، کتنے -

کتّے—ھ، کتنے -

کٹھن—ھ، دشوار -

کج بازی—ھ، تیڑھی تیڑھی باتیں کرنا - غلط کام کرنا -

کسو—ھ، کسی -

ککریزی—ایک سیاہی مائل اودا رنگ -

کلکاری—ھ، ہنسی کے ساتھ زور کی آواز - بچے کی غوں غاں -

کمان—ف، دھنک -

کنٹھا—ھ، بڑے بڑے دانوں کا ایک قسم کا ہار -

کنٹے دار—ھ، نوکدار پگڑی -

کونجڑا—ھ، ساگ پات بیچنے والا -

کونچا—ھ، بھڑبوجے کا دانے بھوننے کا آلہ -

کھنڈ—ھ، ایک قسم کا راگ جو دھوبی گاتے ہیں -

کیفی—ھ، شرابی - افیوں کھانے والا -

گ

گالا—ھ، دھنکی ہوئی روئی کا ٹکڑا -

گزار—ھ، گزر -

گل پھولنا—ھ، کوئی نئی یا عجیب بات ہونا -

گلوندا—ھ، مہوے کا پھل - موٹے تازے آدمی کو اس سے مثال دیتے ہیں -

گھر گھالنا—ھ، تباہ کرنا - لوٹنا -

گھونٹنا—ھ، گھونٹ گھونٹ کر کے پینا - اس معنے میں متروک ہے -

ل

لات و منات—دو مشہور بتوں کے نام -

لت پتا—ھ' تھیلا ڈھالا -

لگن لگنا—ھ' لو لگنا - خواہش ہونا -

م

مَچّھی—ھ' مچھلی -

محلی—ف' شاہی محلوں کی خدمت گار عورتیں -

مخطط—ع' خطدار -

مرائی—ع' دکھاوے کی باتیں -

مردی پکڑنا—ھ' مردانگی اختیار کرنا -

مروڑ—ھ' اینٹھ مروڑ - تمرد -

معارک—ع' معرکہ کی جمع -

مغیث—ع' فریاد کرنے والا -

مکر چاندنی—ھ' وہ اجالا جو صبح صادق سے پہلے ہوتا ہے۔ صبح کاذب -

ملا گیری—ھ' صندلی رنگ سے مشابہ ایک خوشبودار رنگ -

ممات—ع' موت -

من دینا—ھ' جی دینا -

منہ چنگ—ھ' ایک باجا جو منہ سے بجایا جاتا ہے -

مونیا—ھ' کچے سوت کی آنٹی -

میں نے تیرا کیا ڈھالا ہے— میں نے تیرا کیا بگاڑا ہے - اس معنے میں اب متروک ہے -

ن

نام کرنا—ھ' نام رکھنا -

نائی کے—ھ' نائی کا لڑکا -

نپٹ—ھ' بہت زیادہ -

نجیب—ع' شریف لوگ -

ندان—ھ' آخرکار -

نراس—ھ' نا امید -

نسیہ—ف' اُدھار - قرض -

نک—ھ' ناک کا مخفف -

نکٹوڑا—ھ' ناز نخرے -

نمن—ھ' طرح -

نوربائی جی—ھ' گدایتاً کھیر -

نہاری—ف' صبح کے وقت جو کھانا بازار میں تیار ہوتا ہے -

نہانی—ھ' لُہار بڑھیوں کا ایک اوزار' نہائی -

نہانی رند—ف' چھپا ہوا رند -

نین—ھ' آنکھ' آنکھیں -

و

والشمس—ع' قرآن شریف کی ایک سورت -

ورع—ع' پرھیزگاری -

ھ

ھات کرنا—ھ' حملہ کرنا - لڑنا -

ھاتھ سے ھاتھ نہ سوجھنا—ھ' انتہائی تاریکی -

مطبوعات هندستانی اکیڈمی

۱—عرب و هند کے تعلقات—از علامۂ سید سلیمان ندوی - یہ پانچ تقریریں هیں - هر تقریر مجتہدانہ کاوش کا نتیجہ هے جس میں بہت سے اهم تاریخی مسائل کے متعلق قدیم اور جدید مورخین کی غلطیاں بے نقاب کی گئی هیں - یہ اپنے موضوع پر لاجواب کتاب هے - ضخامت ۳۰۴ صفحات علاوہ ضمیمہ و صحت نامہ - قیمت مجلد چار روپے -

۲—تاریخ هند کے ازمنۂ وسطی میں معاشرتی اور اقتصادی حالات—از مسٹر عبداللہ یوسف علی سی - بی - ای ' ایم - اے ' اِل اِل - ایم اس میں نو سو برس کے اقتصادی اور معاشرتی حالات هندستان کے متعلق جمع کئے گئے هیں - ماخذوں میں مشرق و مغرب کے فضلا کی تصنیفات سے فائدہ اُٹھایا هے - ضخامت ۱۰۹ صفحات ' مع انڈکس - قیمت ایک روپیا -

۳—انگریزی عہد میں هندستان کے تمدن کی تاریخ—از مسٹر عبداللہ یوسف علی سی - بی - ای ' ایم - اے ' اِل اِل - ایم - اس میں انگریزی عہد کی ترقیوں کا ذکر هے - طباعت ' ٹائپ ' تراجم ' کتبات ' علمی سوسائٹیاں ' قانون ' آداب معاشرت ' اخلاق ' فنون لطیفہ ' تعلیم ' اخبارات ' علم ادب ' طب ' اُردو نثر ' نظم اور مختلف مذهبی ' تعلیمی ' ادبی ' سیاسی تحریکات کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا هے - ضخامت ۴۱۵ صفحات مع ضمیمہ - قیمت تین روپے آٹھ آنے -

۴—قرون وسطی میں هندستانی تہذیب—از رائے بہادر مہامہو پادھیائے گوری شنکر هیرا چند اوجھا - مترجمۂ منشی پریم چند - یہ هندی کے تین لکچروں کا ترجمہ هے - ان میں پہلی تقریر بدھ مذهب ' جین دھرم ' برهمن دهرم ' ویشنو فرقہ ' شیو فرقہ ' هندو دهرم کے عام ارکان ' ذاتیں ' چھوت چھات ' پوشاک ' زیور ' غذا ' غلامی ' توهمات ' اطوار ' عورتوں کی تعلیم ' پردہ ' شادی ' ستی ' پر ; دوسری ادبیات پر ; اور تیسری نظام سلطنت اور صنعت و حرفت پر هے - هر موضوع پر مدلل بحثیں هیں - ضخامت ۲۳۸ صفحات ' علاوہ انڈکس - قیمت مجلد چار روپے -

۵—معاشیات : مقصد اور منہاج—از ڈاکٹر ذاکر حسین خاں ایم - اے ' پی ایچ ڈی - اس کتاب میں معیشت انسانی پر مابعد الطبیعی ' علوم طبیعی ' اور علوم تمدنی کے تین نقطہ هائے نظر سے روشنی ڈالی گئی هے اسی لیے علم المعیشت کو معیاری ' ترتیبی اور افهامی قرار دیکر تین عنوانات میں تقسیم کر دیا گیا هے - یہی وہ تین شکلیں هیں جو آج اس علم نے اختیار کی هیں - ضخامت ۱۱۸ صفحات - قیمت ایک روپیا -